

مذکورہ بالا اقتباسات پیش کر کے ہمارے بھائی نے ہم سے مندرجہ ذیل سوالات کیے ہیں:-

"کی موسیٰ علیہ السلام کی ہشت کی اولین غرض بنی اسرائیل کو آزاد کرنا تھا؟ کیا تمام انبیاء علیہم السلام کی ہشت کی غرض یہ نہیں ہے؟ اگر موسیٰ علیہ السلام کی ہشت کی غرض آزادی بنی اسرائیل تھی جیسا کہ مولانا نے قَائِلُہُمْ فَانْتَارَ سُوکَا رَبِّہِمْ قَاذِیَہِ مَحَنًا بَنِیْ اِسْرَآئِیْل (اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم تیرے رب کے رسول ہیں پس ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو لے جائے) سے استدلال کیا ہے تو پھر ظاہر ہے کہ سب سے زیادہ اہم بات آزادی کی جدوجہد ثابت ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لیے رنہ جات کا مسئلہ کوئی بنیادی مسئلہ نہیں ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے اس سے مختلف راستہ اختیار کیا؟ آپ بھی آزادی کی جدوجہد میں اور دوسرے علمائے کرام کی طرح، کیوں نہیں لگ جاتے؟ آخر آپ ایک بنیادی مسئلہ کو چھوڑ کر ایک غیر ضروری، صغنی اور بالکل ہی غیر بنیادی مسئلہ (رنہ جات سلیم) میں اپنی اور اپنے رفقاء کی قوت و قابلیت کیوں صرفتہ فرماتے ہیں؟ اگر ان پر پادشاہ سوالات کی بنیاد آپ کے نزدیک غلط ہے تو پھر ضروری ہے کہ اس موضوع پر پوری تفصیل کے ساتھ کلام فرمائیے۔ ایک طرف اس عالم دین کی شخصیت ہے جو علم و تقویٰ میں کل ہند شہرت رکھتی ہے دوسری طرف اس کے یہ ارشادات ہیں جن کے نتائج سے دل رزتا ہے یہیں بتائیے کہ کب موسیٰ علیہ السلام فی الواقع کوئی نیشنلسٹ لیڈر تھے یا "بنی اور رسولی" تھے؟

ہمارے یہی بھائی ایک دوسرے گرامی نامہ میں ایک اور سوال دریافت فرماتے ہیں جو اسی سلسلہ سے تعلق رکھتا ہے بلکہ اس سے اوپر کی غلط فہمیوں کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے اس وجہ سے ہم اسے بھی یہیں درج کے دیتے ہیں تاکہ اسی ضمن میں اس کا بھی جواب ہو جائے۔ وہ فرماتے ہیں:-

۱۔ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تو اس وقت بنی اسرائیل ان ہی حالات میں گرفتار تھے جو میں آج ہندی مسلمان گرفتار ہیں لیکن حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کی اخلاقی تربیت پر زیادہ زور نہیں دیا اور اگر دیا بھی تو انہوں نے اپنی قوم کے صالحین کو چھانٹ کر الگ ایک جگہ بنایا یہاں تک کہ جب وہ نکلے ہیں تو کوئی بھی اسرائیلی پیچھے نہیں رہا۔

۲۔ صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر میں باب کے خاتمہ کے قریب ایک حدیث آئی ہے کہ جب آپ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں ایک بہادر جری آدمی ملا اور اس نے کہا "جئت لاتبعدک" واصیب معلج" لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے "ایمان باللہ والرسول" سے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ مسلم نہیں ہے اس پر آپ نے فرمایا "ارجع فلین استعین بمشراکک" اسی طرح کئی بار سوال و جواب ہوا بالآخر اس نے ایمان باللہ والرسول کا اقرار کیا تو اسے "مومن" کی حیثیت سے جہاد میں شرکت کی اجازت دی اور وہ مجاہدین کے ساتھ چل پڑا۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ وہ غلامی میں کچھ بہت زیادہ بچے اور بچے لوگوں کو چھانٹنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اتنا کافی ہے کہ وہ جس درجہ پر بھی ایمان کے ہوں انہیں لے کر آزادی کے حصول کی کوشش شروع کر دی جائے پھر آزاد ہونے کے بعد تو کئی دوسرے کام شروع کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔

فیر ۲ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پرانے مسلمان تو خیر پرانے ہیں جو آج ہی ایمان لائے ہوں اور تعلیم و ترقی ان کا بالکل نہ ہوا ہو

انہیں بھی بغیر کسی تیاری کے جہاد میں شریک کیا جاسکتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر جماعت اسلامی اپنے اس ابتدائی مرحلہ پر کن وجوہ سے کٹ چھٹا کرتی ہے؟ ہندوستان کے مسلمان بنی اسرائیل سے اور اس نو مسلم سے زیادہ بگڑے ہوئے تو نہیں ہیں؟

تین غلط فہمیاں | یہ سارا استدلال درحقیقت تین غلط فہمیوں پر مبنی ہے:-

۱۔ پہلی غلط فہمی یہ ہے کہ یہ حضرات سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطالبہ فرعون اور اس کی قوم سے صرف یہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دے۔ ان بزرگوں کے خیال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام یا تو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بحیثیت رسول سرے سے بھیجے ہی نہیں گئے تھے، یا بھیجے گئے تھے تو امد کے تمام رسولوں کے طریقہ کے خلاف، فرعون اور اس کی قوم کے لیے ان پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی گئی تھی کہ ان کو ایمان باللہ، ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرت کی دعوت دیں، ان پر اللہ کی حجت تمام کریں، ان کو خدا سے ڈرائیں اور تذکیر و تبلیغ کا وہ فرض انجام دیں جو ہر بنی اور رسول ان لوگوں کے اندر انجام دیتا ہے جن کی طرف وہ بھیجا جاتا ہے۔ یہ ساری ذمہ داریاں ان کے اوپر صرف بنی اسرائیل کے لیے تھیں۔ فرعون اور اس کی قوم کی ہدایت و صلاحیت کے ان کو کوئی سروکار نہ تھا۔ فرعون سے ان کا معاملہ صرف یہ تھا کہ اپنی قوم کو اس کی غلامی سے چھڑالیں۔ بس اسی کام پر اللہ تعالیٰ نے ان کو مامور کیا تھا چنانچہ جاتے ہی انہوں نے یہ مطالبہ فرعون کے سامنے پیش کر دیا اور اسی طرح پیش کر دیا جس طرح کانگریس نے ہندوستان کو خالی کر دو (Quit India) کا ریزولوشن پاس کر دیا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ کانگریس نے یہ تجویز نصف صدی سے زیادہ کی جدوجہد کے بعد پاس کرنے کی جرأت کی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ خدا کی طرف سے صرف بنی اسرائیل کو آزاد ہی دلائے کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے اس وجہ سے بے خوف و خطر انہوں نے اپنا مطالبہ، پہلی ہی ملاقات میں، فرعون اور اس کی قوم کے سامنے رکھ دیا۔ اور ان کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ وہ بنی اسرائیل کی آزادی کی ہم پر خدا کی طرف سے بھیجے گئے ہیں انہوں نے متعدد معجزات دکھائے لیکن یہ لوگ، ان معجزات کے بعد بھی، بنی اسرائیل کو غلام بنانے ہی پر اڑے رہے۔ بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہو گئے اور فرعون اور اس کی ساری فوج ان کا تعاقب کرتے ہوئے بحر قلزم میں غرق ہو گئی۔

۲۔ دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ یہ حضرات بنی اسرائیل کے اند بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کو دو مختلف حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک دور ان کی مصر کی زندگی کا۔ دوسرا دور ان کے مصر سے نکلنے کے بعد کی زندگی کا۔ اور ان دونوں دوروں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کام بنی اسرائیل کے اندر، ان لوگوں کے نزدیک، ادباً لکل مختلف نوعیتیں رکھتا ہے۔ پہلے دور میں ان کے نزدیک اصلی کام بنی اسرائیل کی آزادی کا تھا اور اسی پر انہوں نے اپنی ساری توجہ مرکوز کی۔ اس دور میں انہوں نے ان کے عقائد و ایمانیات کا سوال چھیڑا اور ان کی تربیت و تزکیہ کی طرف کچھ ایسی توجہ کی۔ صرف نسبی عصبیت کے نعرہ پر، جس طرح ایک نیشنل لیڈر کرتا ہے انہوں نے تمام بنی اسرائیل کے اندر آزادی کی ایک لگن پیدا کر دی اور ان کو اپنی قیادت پر جمع کر لیا۔ اس سے قطع نظر کہ کوئی شخص خدا کو مانتا ہے یا نہیں، آخرت پر اس کا ایمان ہے یا نہیں، ان کی رسالت پر اس کو عقیدہ ہے یا نہیں، ہر اسرائیلی ان کی فوج کا سپاہی اور ان کی جماعت کا ایک رکن تھا اور ان سب کو بلا فرق و تمیز وہ مصر سے لے کر نکلے۔ ان کے مومن و منافق اور کافرو فاسق میں انہوں نے کوئی امتیاز نہیں کیا۔ جب فرعون کی غلامی سے باہر نکل آئے تب انہوں نے ان کی تربیت و تعلیم اور اصلاح و تزکیہ کی طرف توجہ فرمائی اور ان کو خدا اور اس کے قانون سے آشنا کیا۔ اس طرح

ان حضرات کے خیال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کام ان کی زندگی کے پہلے دور میں ایک نیشنل لیڈر کے کام سے کچھ مختلف نہیں ہے اور مصر میں انھوں نے فرعون سے جوڑائی بڑی وہ شرک و توحید اور کفر و اسلام کی جنگ نہ تھی بلکہ تبلیغ اور اصلاح کی جنگ تھی۔ ایک قوم پرست لیڈر کو جس طرح اپنی قوم کی آزادی عزیز ہوتی ہے اسی طرح ان کو بھی اپنی قوم کی آزادی عزیز تھی جس طرح ہر شخص جو مل و وطنیت و قومیت میں اس لیڈر کا شریک ہوتا ہے، ان کے مفاد کے لیے وہ سر دھڑکی بازی لگاتا ہے اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ہر اسرائیلی کی آزادی کے لیے سر دھڑکی بازی لگائی۔ اور جس طرح ایک نیشنل لیڈر اشتراک اور ہم جنسی کے ان بنیادی اصولوں کے سوا جن پر اس کی قوم کی قومیت قائم ہوتی ہے اور کسی چیز کو اہمیت نہیں دیتا اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی قطبیت اور اسرائیلیت کے اس معرکہ میں اسرائیلیت کے سوا کسی چیز کو اہمیت نہیں دی۔

۲۔ تیسری غلط فہمی یہ ہے کہ ان بزرگوں کے نزدیک ساری برائیوں کی جڑ غلامی اور ساری خوبیوں اور برکتوں کا سرچشمہ آزادی ہے۔ غلامی سے ان حضرات کے نزدیک مراد یہ ہے کہ کوئی قوم جو مل و وطن، تہذیب و معاشرت اور جغرافیائی حدود کے اعتبار سے ایک متحدہ قوم گنی جاتی ہو وہ کسی ایسی قوم کی محکوم ہو جائے جو ان اعتبارات سے ایک متحدہ ملت رکھتی ہو۔ اور آزادی کا مفہوم ان کے نزدیک یہ ہے کہ اس طرح کے اجنبی اقتدار سے محکوم قوم آزاد ہو کر اپنی تعمیر باختیار خود کر سکے۔ یہ آزادی اور اپنی تعمیر باختیار خود کر سکنے کا حق ان کے نزدیک تمام بھلائیوں کی بنیاد ہے۔ جب تک کسی قوم کو یہ خود مختاری نہ حاصل ہو اس وقت تک وہ نیکی کی راہ میں ایک قدم بھی نہیں بڑھ سکتی۔ اس وجہ سے ان کے نزدیک یہ ضروری ہوا کہ اگر کوئی قوم غلام ہو تو اس کی اصلاح کے سلسلہ میں پہلا قدم یہ ہے کہ اس کو آزاد کیا جائے اور جب تک اس کو آزادی نہ حاصل ہو جائے اس وقت تک اس کی اصلاح و تربیت کے سارے کام فٹوی رکھے جائیں۔ ان حضرات کے نزدیک چونکہ یہ آزادی و خود مختاری تمام برکتوں کا سرچشمہ ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ اس مقصد کے لیے انبیاء مبعوث فرماتا ہے۔ اور ہمیں سے یہ بات بھی سچی کہ کسی غلام قوم کے لیڈروں کا سب سے بڑا سبب مقدس اور سب سے مقدم فرض اپنی قوم کو آزاد کرانا ہے۔

غلط فہمیوں کے تین سبب | ان غلط فہمیوں پر تنقید کرنے سے پہلے، بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ ان میں مبتلا ہونے والے حضرات معمولی لوگ نہیں بلکہ عالی مقام بزرگان دین ہیں، ضروری ہے کہ ان کے پیدا ہونے کے اسباب کا بھی ذکر کر دیا جائے۔ ہمارے خیال میں ان کے پیدا ہونے کے بھی تین سبب ہیں۔

(الف) پہلا سبب یہ ہے کہ تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ساری جدوجہد جو انھوں نے مصر میں کی ہے، اصول و عقائد کی جنگ کے بجائے ایک قومی و نسلی نزاع کے رنگ میں پیش کی گئی ہے۔ جو شخص بھی تنقید کی گہری نظر کے بغیر اس کو پڑھے گا وہ اس کو ایک پیغمبر کی دعوت ایمان و اسلام سے زیادہ ایک نیشنل لیڈر کی تحریک آزادی سے زیادہ متاثر پائے گا۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ساری توجہ کام کرنا یہی نقطہ معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دو۔ ساری داستان میں یہ بات ہمیں نہیں نمایاں ہوتی کہ حضرت موسیٰ فرعون اور اس کی قوم کو اللہ روز آخرت اور اس کے بھیجے ہوئے ہادی پر پول سوزی کے ساتھ ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہوں اور فرعون اور اس کی قوم سے کسی اصول و

مسک پر جنگ کر رہے ہوں جس پر ایمان لانے کے بعد اس نزع کا خاتمہ ہو سکے۔ بلکہ ان کا اول و آخر مطالبہ صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں جانے دو۔ اس سلسلہ میں اگر خدا کا ذکر آتا بھی ہے تو اس حیثیت سے نہیں کہ وہی اس بات کا حقدار ہے کہ سب اس کی غلامی اور بندگی کریں اور اسی کے قانون کو مانیں بلکہ فرعون اور اس کی قوم کے ایک حریت دیتا کی حیثیت آتا ہے کہ خداوند خدا اسرائیل کا خدایوں فرماتا ہے کہ تو میرے لوگوں کو جانے دے۔ اسی طرح بنی اسرائیل کا ذکر آتا ہے تو اس حیثیت سے نہیں کہ وہ اللہ کی مخلوق اور آدم کی اولاد ہیں اور اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ خدا کے بندوں کا سامنا کیا جائے بلکہ اس طرح آتا ہے کہ اسرائیل خدا کا پسندیدہ ہے اور ساری دنیا کی قومیں اس کے پاؤں کے نیچے کی چوکی بنیں گی۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس طرح نظر نہیں آتے جس طرح ایک پیغمبر اپنی قوم میں شب و روز خدا کی بندگی اور اس کی اطاعت کی دعوت دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ جو لوگ اس کی دعوت پر ایمان لاتے ہیں ان کی زندگیوں کو سنوارنے کی فکر میں اپنی جان گھلاتا ہے اور جو لوگ اس سے بد کے ہوئے ہوتے ہیں ان کو ڈھونڈھنے اور مانوس کرنے میں لگا رہتا ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ساری جدوجہد بنی اسرائیل کو بحیثیت بنی اسرائیل منظم کرنے کے لیے ہے۔ اور اس تنظیم میں کافروں میں غلبہ و منافق اور کھڑے اور کھوٹے کا کوئی سوال نہیں ہے۔ صرف اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کا سوال ہے۔

توریت میں خدا کے ایک پیغمبر اور اس کے کارناموں کی تاریخ کا ایک بالکل قومی جہاد آزادی کے رنگ میں رنگ جانا کچھ تعجب انگیز نہیں ہے۔ جو بنی اسرائیل خدا کے بندے اور اس کی مخلوق (بش جہن خلق) ہونے کی جگہ اس خط میں قیلا ہو گئے تھے کہ وہ خدا کے محبوب اور اس کے لاڈلے ہیں، جو یہود ایمان لاتے اور اطاعت رسول کی جگہ اسرائیلیت کو نجات کی گارنٹی یقین کرنے لگے تھے۔ جو لوگ اپنے تئیں بندگی سے بالاتر اور خدا کی گرفت سے بالکل محفوظ سمجھتے تھے، ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنی ساری تاریخ کو ایمان و عقیدہ کی روشنی میں پیش کرنے کے بجائے نئی اور قومی استحقاق کی روشنی میں پیش کریں۔ اس کے بغیر وہ اپنے غرور کو تسلی دے سکتے تھے اور نہ اپنے ان تصورات (امانی) کے لیے کوئی وجہ و جواز پیش کر سکتے تھے جن میں جتنا ہو کر انھوں نے خدا کی ساری شریعت سے آزادی حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنی پھیلی تاریخ کو قومی مغاضب کی ایک داستان کی شکل میں مرتب کر کے اپنے ماضی اور حال میں ایک ربط پیدا کر لیا۔ اگرچہ یہ مصنوعی ربط پیدا کرنے میں وہ کامیاب نہ ہو سکے اور جگہ جگہ ایسا خلا چھوڑ گئے کہ قرآن نے ان کی تاریخ ہی کو ان کے باطل دعاوی اور ان کی لابی آرڈر کے خلاف سب سے بڑے گواہ کی حیثیت سے پیش کیا تاہم ان کو اتنی کامیابی تو ضرور ہوئی کہ ہمارے کل ہند شہرت رکھنے والے علماء، جن کے تقویٰ و تقدس کی قسمیں کھائی جاتی ہیں، قرآن کی تنبیہات کے باوجود ان کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے شکار ہو گئے۔

(ب) غلط فہمی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن نے اگرچہ بنی اسرائیل کی تاریخ صحیح نقطہ نظر سے پیش کر دی ہے، جس سے یہودی ساری غلطیاں بے نقاب ہو جاتی ہیں لیکن قرآن میں اسی سلسلہ کی دو مشکلیں ایسی ہیں جن کو ہر شخص آسانی سے حل نہیں کر سکتا۔ پہلی مشکل یہ ہے کہ قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون و بنی اسرائیل کی پوری سرگذشت کسی ایک جگہ نہیں بیان ہوئی ہے۔ مختلف سورتوں میں اس سرگذشت کے مختلف ٹکڑے، سورہ کے موضوع و مضمون کے اعتبار سے آئے ہیں۔ اس وجہ سے اگر کوئی شخص اس پوری سرگذشت اور اس کے مختلف ادوار کو متعین کر کے ایک فریم میں لانا چاہے تو اس کو ذرا محنت کرنی پڑے گی

جس کو قرآن کا کوئی معنی طلب علم ہی کر سکتا ہے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ دوسرے ابناء اور ان کی سرگذشتوں میں سے قرآن نے اولاً تو اتنا ہی حصہ بیان کیا ہے جتنا موقع کلام اور حکمت بیان پہلو سے ضروری تھا، ثانیاً اس کو بھی ایسے اہم و مختصر کے ساتھ بیان کیا کہ اس کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے صبر اور ذہانت دونوں درکار ہے۔ اس وجہ سے جو لوگ جلد باز ہیں اور قرآن کی پوری بات سمجھنے کے بجائے یہ چاہتے ہیں کہ جلدی سے ان کے دعا کے موافق کوئی بات ان کے ہاتھ لگ جائے وہ نہایت آسانی سے غلط فہمیوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔ یہی صورت حال ان حضرات کو بھی پیش آئی ہے جو ارسیل معنائی اسرار ائیل کے ایک ٹکڑے کو پڑھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک ٹیلیسٹ لیڈر بنائیے۔ اور یہ سمجھنے لگ گئے کہ علامی سے استخلاص اور اس کے لیے جدوجہد ایک مذہبی فریضہ ہے جس کے لیے مستقلاً ایک جلیل القدر پیغمبر کی بعثت عمل میں آئی۔

(ج) غلط فہمی کی تیسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے ملک میں قومی اور وطنی آزادی کی یہ تحریک جس کی قیادت آج کانگریس کر رہی ہے اور جس کی نہایت بھونڈی نقل مسلم لیگ نے اڑائی ہے، قرآن و حدیث سے روشنی حاصل کر کے مسلمانوں نے نہیں شروع کی تھی۔ بلکہ سترہویں اور اٹھارویں صدی میں جس آزادی کا غلط فہم لوگوں کے ملکوں میں بلند ہوا تھا بعینہ وہی چیز جدید تعلیم اور جدید مطالعہ تاریخ کے اثر سے ہمارے ملک کے غیر مسلموں میں پیدا ہوئی اور چونکہ اس طرح کی آزادی کے مقدس ترین فرض انسانی ہونے پر کافی لٹریچر تیار ہو چکا تھا اس وجہ سے نئی تعلیم کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں بھی یہ چیز پھیلی اور بعینہ انہی تصورات مطالبات کے ساتھ پھیلی جن تصورات و مطالبات کے ساتھ اس کے مغربی موجدوں نے اس کو وضع کیا تھا۔ شروع شروع میں مسلمانوں کے اندر سے کچھ سنبھلے اور جو علم مند لوگ اس کی طرف بڑھے۔ بعد میں ہندوستان کے اندر اور ہندوستان سے باہر کچھ ایسے مسلمان پیدا ہو گئے کہ علماء کا گروہ بھی آزادی وطن کی اس جدوجہد میں شریک ہو گیا اور جو حالات ان حضرات کو اس چیز کی طرف لائے وہ ایسے ہنگامہ خیز تھے کہ ان کے اندر نہ کسی کو اس بات پر غور کرنے کی ہمت ہی تھی کہ آزادی کا یہ مغربی تصور اور حصول آزادی کا یہ مغربی طریق کار اسلام سے کچھ نا سبب بھی رکھتا ہے یا نہیں اور نہ ان میں سے کسی بزرگ کے پاس وہ ضروری معلومات ہی تھیں جن کی روشنی میں وہ اس آزادی کا تجزیہ کر کے سمجھ سکتے کہ اس کے فلسفہ اور اس کے عمل میں فساد کے کتنے اجزاء ہیں اور صلاح کے کتنے ذرات ہیں۔ پس یہ نعرہ کہ "آزادی ہر قوم کا پیدا نشی حق ہے۔" اور "ہندوستان کی آزادی ہی پر تمام عالم اسلامی کی آزادی منحصر ہے" ان حضرات کو اس میدان میں گمراہ کیا۔ بعد میں جب اس آزادی کا فلسفہ اور اس کے حصول کا طریق کار آہستہ آہستہ لوگوں کے سامنے آیا اور ہر مرحلہ میں انھیں یہ بات محسوس ہونے لگی کہ آزادی کا یہ تصور اور اس کے مطالبات اس تصور آزادی کے بالکل مختلف ہیں جو اسلام نے پیش کیا ہے اور قدم قدم پر وہ اس راستہ سے اپنے آپ کو ہٹا ہوا پانے لگے جو اللہ اور اس کے رسول نے کسی مخصوص قوم کی آزادی کے لیے نہیں بلکہ دنیا جہان کی آزادی کے لیے بتایا تھا تو انھیں اس بات کی فکر ہوئی کہ اپنے طرز عمل کو جائز ثابت کرنے کے لیے قرآن و حدیث سے کچھ دیسیں فراہم کریں۔ اس طرح کی کوشش کا نتیجہ وہ استدلال ہے جس سے خدا کے ایک جلیل القدر پیغمبر کو ایک ٹیلیسٹ لیڈر کے درجہ تک گرا دیا گیا ہے اور جس کو پڑھ کر ان کے کبر نفس پر حیرت ہوتی ہے کہ جب خدا کی کتاب اس کی خواہشوں کا ساتھ نہیں دیتی تو وہ کس طرح توڑ مروڑ کر اس کو اپنی خواہشوں کے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ پس یہ ساری غلطی درحقیقت نتیجہ ہے اس بات کا کہ ان حضرات نے آزادی کی اس جدوجہد میں اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول

کی رہنمائی کے بغیر بالکل دوسرے محرکات کے تحت ڈال دیا اور اب کہ ایک غلط راہ کی بہت سی منزلیں طے کر چکنے کے بعد انھیں محسوس ہو رہا ہے کہ وہ بالکل ایک غلط راہ پر پڑے ہیں تو بجائے اس کے کہ اگلے پاؤں واپس لوٹیں اس بات کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح قرآن و حدیث سے ان کی یہ غلط روی ہدایت ثابت ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی کوشش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انھیں سے رہا کر غلط فہمیاں دور ہوں۔ اس کا نتیجہ تو بس یہی ہو سکتا ہے کہ جتنا ہی یہ حضرات اپنی غلطی کو صحیح ثابت کرنے کے لیے زور لگائیں گے اتنا ہی حق سے یہ اور دور ملتے جائیں گے۔ ہاں اگر ان کے اندر یہ ہمت ہوتی کہ حق کی خاطر اپنی قیادت کے پندار کو جرح کر سکتے تو ہمیں یقین ہے کہ اس غلط رنگ آمیزی کے باوجود جو علمائے یہود نے اپنی تاریخ پیش کرنے میں کی ہے، اور اس ایجاز کے باوجود جو قرآن مجید میں پایا جاتا ہے، بالکل پہلی نظر میں ان کے سامنے اصل حقیقت بالکل روشن ہو کر آجاتی۔

ایک نبی اور ایک ٹینٹ بڈیتے | شاید ان حضرات نے کبھی سکون کے ساتھ اس مسئلہ پر غور نہیں فرمایا کہ ایک نبی کی دعوت اور ایک لیڈر کے بنیادی اختلافات | قوم پرست لیڈر کی تحریک میں ۱۔ ایسے بنیادی اختلافات ہیں کہ یہ دونوں چیزیں کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ ایک نبی نے نزدیک تمام خرابیوں کی جڑ انسان کی خود مختاری اور آزادی ہے اور تمام بھلائیوں کا سرچشمہ اللہ کی بندگی اور تنہا اسی کی اطاعت ہے۔ اس کے بالکل برعکس ایک قوم پرست لیڈر ساری خرابیوں کی جڑ غلامی کو قرار دیتا ہے اور ساری ترقیوں کا منبع اپنی تعمیر با اختیار خود کرنے کے حق کو سمجھتا ہے۔ ایک نبی کی قوم ایمان و اسلام کے اصولوں پر ایمان لانے سے بنتی ہے اور ایک قومی لیڈر کی قوم نسل و نسب اور وطنیت کے سارے تعمیر ہوتی ہے۔ ایک نبی کی ساری لڑائی اصول و عقائد سے ہوتی ہے۔ جو عقائد اس کے عقائد کے خلاف ہوتے ہیں ان سے وہ جنگ کرتا ہے، خواہ وہ اس کی قوم کے اندر پائے جاتے ہوں یا کسی دوسری قوم کے اندر اور جو لوگ اس کے اصولوں کو مان لیتے ہیں وہ ان سے اپنی جماعت بنا لیتا ہے، خواہ وہ اس کی قوم کے اندر سے ائے ہوں یا اس کے باہر سے۔ اس کے بالکل برعکس ایک قومی لیڈر کا سارا جھگڑا اس قوم سے ہوتا ہے جو نسل و نسب یا وطنیت اور رنگت اس پر مختلف ہے اور چونکہ یہ اختلافات بہر شکل باقی رہتا ہے اسوجہ سے اس کا اختلاف بھی بہر حال قائم رہتا ہے۔ ایک نبی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے وہ نظام پیش کرتا ہے جو تمام بنی آدم کے لیے یکساں مفید ہو اور ایک قومی لیڈر زندگی کے سارے نکتے اپنی قوم کے مفاد کو سامنے رکھ کر بناتا ہے۔ یہ بنیادی اختلافات اتنے اہم ہیں کہ اگر مذہب کی زبان میں ان کو تعبیر کیا جائے تو ایک کفر ہے، دوسرا ایمان، ایک توحید ہے دوسرا شرک۔ اس وجہ سے اس کا اسکان بالکل نہیں ہے کہ ایک شخص نبی اور رسول بھی ہو اور قومی لیڈر بھی یا ایک نبی اپنی زندگی کے کسی دور میں تو ایک قومی لیڈر کے اصولوں پر کام کرے اور دوسرے دور میں ایک نبی کے اصولوں پر۔ کیونکہ ایسا فرض کرنا درحقیقت اس بات کو فرض کرنا ہے کہ انبیاء ذبا اللہ ایک نبی اپنی ایک ہی زندگی کے اندر کفر و اسلام دونوں کے اصول جمع کر لے یا اپنی زندگی کے ایک دور میں تو وہ شرک کا داعی ہو اور دوسرے دور میں توحید پر۔ یہ باتیں اتنی واضح ہیں کہ کوئی صاحب فہم ایک لمحہ کے لیے بھی اس غلطی میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص کو پیغمبر بھی مانے اور پھر اس کی طرف ایک قومی لیڈر کی خصوصیات بھی منسوب کر دے۔ لیکن بد قسمتی سے چونکہ بہت سے علمائے دین اس غلط فہمی میں پڑے ہوئے ہیں اس وجہ سے ہم قرآن مجید کی روشنی میں یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صرف نبی اور رسول تھے۔ اپنی بعثت کے شروع میں بھی اور بعثت کے آخر میں بھی، فرعون کے لیے بھی اور بنی اسرائیل کے لیے بھی، اور

اس واقعہ سے کہ ان کی قوم کی اور قوم کی غلام تھی۔ ان کے پیغام اور ان کے کام میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوا۔ جو دعوت تمام انبیاء نے اپنی اپنی قوموں کو دی وہی دعوت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دی۔ جو دارا اور پھر نے اپنی قوم کے ارباب اقتدار اور مستکبرین کو سنایا وہی دارا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ارباب اقتدار اور املا مستکبرین کو سنایا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ دوسرے انبیاء کی قوموں کے ارباب اقتدار ان کی اپنی قوم کے اندھی کے لوگ ہوتے تھے۔ بنی اسرائیل کے ارباب اقتدار ان کے باہر کے یعنی قبیلے تھے لیکن اس خطا سے کوئی ایسا جو بری فرق نہیں واقع ہوتا کہ ایک نبی کے اصول دعوت میں فرق پیدا ہو جائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو دعوت حق دی، ان سے مناظرے کیے، ان کو سحر سے دکھائے، ان پر اللہ کی محبت تمام کی، یہاں تک کہ ان کے اندر سے کچھ اہل حق ایمان بھی لائے لیکن بے شمار ہر نبی کی قوم کے ارباب اقتدار کی اکثریت نے نبی کی تکذیب کی اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد کے املا مستکبرین نے بھی ان کی تکذیب کی اور پھر جس طرح ہر نبی نے اپنی طرف سے تمام دعوت اور مستکبرین کی طرف سے تکذیب اور قتل کی دھمکی کے بعد ہجرت کی اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے زمانہ کے مستکبرین کی طرف سے بایں ہوجانے کے بعد ہجرت فرمائی اور جس طرح ہر نبی کے بھٹلانے والے، نبی کی ہجرت کے بعد، خدا کے عذاب میں گرفتار ہوئے اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اعداء بھی ان کی ہجرت کے بعد گرفتار عذاب ہوئے۔ یہ ساری تفصیلات قرآن میں موجود ہیں ہر شخص قرآن کو پڑھ کر دیکھ سکتا ہے کہ اس ام واقعہ کی وجہ سے کہ حضرت موسیٰ کی قوم کسی دوسری قوم کی غلام تھی نہ نبی کے فرائض رسالت کی نوعیت میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی نہ انبیاء کے لیے اور ان کے بھٹلانے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے جو مقررہ قوانین ہیں ان میں سب کوئی فرق ہوا۔ ایک ہی ضابطہ جو آدم سے لے کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا وہی ہم یہاں بھی جاری دیکھتے ہیں۔ اور فرق ہو بھی کیا سکتا تھا؟ مستکبرین کی نسل بدل جانے سے ان کی ذہنیت میں تو کوئی تبدیلی ہوتی نہیں۔ قریش کے ارباب اقتدار ابو جہلؓ ابو سہبؓ ہوں یا بنی اسرائیل کے ارباب اقتدار فرعونؓ و ہامانؓ دونوں ایک ہی بیما۔ یہی میں بتلاتے تھے پھر کوئی وجہ کچھ نہیں آتی کہ ایک کے پاس تو اللہ کا رسول یہ دعوت لے کر آئے کہ ایمان لاؤ، اور عمل صالح اختیار کرو اور دوسرے کے پاس نبی بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ۔ آخر مستکبرین اور مستغنیوں کی نسل مختلف ہونے کی وجہ سے خدا کے انبیاء کو یہ کیوں بدل جائے؟ کہا الیاذنہ انبیاء بھی نسل و نسب کی اسی عصبیت میں گرفتار ہوتے ہیں جس میں ہمارے ہندوستان کے برہمن گرفتار تھے کہ شدر کے کان میں وید کا کوئی کلمہ نہ پڑنے پائے اور کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے کوئی نسلی پر خاش تھی کہ اگر وہ اللہ پر ایمان بھی لاتا جب بھی وہ یہی چاہتے کہ اس کی قوم الگ اور ان کی قوم علیحدہ رہے؟

اسی طرح بنی اسرائیل کے لیے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت وہی تھی جو ہر نبی اپنی قوم کو دیتا ہے۔ یعنی ایمان باللہ ایمان بالرسول اور ایمان بالآخرت کی دعوت۔ کسی دوسری قوم کے ذریعہ اقتدار ہونے کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہرگز نہیں کیا کہ ان کو نسلی عصبیت کے غرے پر جمع کر کے پہلے فرعون سے آزادی حاصل کرنے کی دعوت دیں اور اس کام سے فارغ ہونے کے بعد ایمان و اسلام کا درس شروع کریں۔ ان کی مصر کی زندگی اور مصر سے نکلنے کی بعد کی زندگی میں جو کچھ فرق سے وہ صرف اجمال و تفصیل کا ہے۔ یعنی مصر کی زندگی میں انھوں نے اپنی قوم کو صرف اصول دین کی تسلیم دی۔ عقائد میں سے اللہ رب العالمین اور آخرت پر ایمان کی عبادات میں سے نماز اور قربانی کی، اخلاق و اعمال میں سے توکل، صبر، اور حق پر استقامت کی۔ اور

مصر سے نکلنے کے بعد ان سارے اصولوں کی تشریح فرمائی اور ان کے مطابق ان کی تربیت کی۔ یہ بعینہ اسی طرح کا تدبیر اور تقاضا ہے جو ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبل ہجرت اور بعد ہجرت کی دعوت میں پاتے ہیں۔ جس طرح آنحضرت صلعم کی مکی زندگی بالکل ہم آہنگ اور مربوط ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے دونوں دور بالکل ہم آہنگ اور مربوط ہیں۔ یہ ان کے اوپر نہایت بدترین سختی ہے کہ وہ مصر میں تو نسل و نسب کے دعوائے جاہلیت کے علمبردار تھے، لیکن سینا میں آکر خدا کے داعی بن گئے۔ البتہ طبیعت میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام محض قومیت کے غرور و لوگوں کو جمع نہیں کر رہے تھے بلکہ ایمان و اسلام کے اصولوں پر جمع کر رہے تھے تو انہیں اس کی کیا وجہ تھی کہ جب وہ مصر سے نکلے تو ان کی ساری قوم ان کے ساتھ تھی۔ لیکن اولاً قرآنی بیان تو رات کا ہے جس کی نسبت ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ اس میں بنی اسرائیل کی ساری تاریخ نسلی استحقاق اور خانہ داری تفصیلات کے نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے، ثانیاً یہ امر بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ دنیا میں کسی نبی کی تکذیب بھی کمزوروں اور مظلوموں نے نہیں کی ہے۔ صرف قوم کے ارباب جاہ نے کی ہے۔ بنی اسرائیل سن حیثیت القوم ارباب جاہ میں شامل نہیں تھے بلکہ مستضعفین یعنی مظلوموں میں تھے۔ ان کے لیے کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں خدا کے اتنے عجائب اور اس کی قدرت کے اتنے کرشمے دیکھ کر بھی ایمان نہ لاتے درحقیقت ان کو ایمان سے پھرنے والے ارباب اقتدار اپنے مظلوم اور اپنی نسلی مصیبت و اجنبیت کی وجہ سے اپنا اعتماد ان کے اندر بالکل کھو چکے ہوں۔ اور خوف کے سوا کوئی دوسری کشش بھی بنی اسرائیل کو ان کی طرف کھینچنے والی نہ ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مطالبہ یہ مدعا کا اجمالی بیان تھا۔ اب کسی تفصیل سے اصل صورت حالات کو قرآن مجید کی روشنی میں خلا فرعون اور اس کی قوم سے فرمایے۔ اور پہلے یہ دیکھیے کہ فرعون اور اس کی قوم کتنا تہمت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلق کی جوت کیا تھی؟ کیا وہ محض ایک ٹیلیٹ لٹریچر کی حیثیت سے ان کے پاس محض یہ مقصد لے کر گئے تھے کہ ان کی غلامی سے اپنی قوم کو چھڑائی یا بحیثیت رسول کے اس حیثیت سے کہ ان کو خدا پر ایمان لانے، خدا سے ڈرنے اور اپنی زندگیوں کو پاک کرنے کی دعوت دیں؟ اس مسئلہ میں سب سے پہلی اصولی بات قرآن مجید نے یہ بتائی ہے :-

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكَ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَىٰكَ
لَمَّا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا فَعَصَىٰ فِرْعَوْنَ
الرَّسُولَ فَأَخَذْنَا مِنْهُ آخِذًا قَبِيلًا۔ (۵، ۱۷، زل)

ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے ایک رسول تم پر گواہ بنا کر جس طرح ہم نے بھیجا تھا ایک رسول فرعون کی طرف گواہ بنا کر تو فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو سخت عذاب میں پکڑا

اس آیت میں مخاطب قریش میں۔ ان سے یہ بات کہی جا رہی ہے کہ جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول، دین حق کی دعوت دینے کے لیے بھیجا تھا اسی طرح تمہاری طرف ایک رسول اللہ کے دین کی دعوت کے لیے بھیجا ہے۔ فرعون نے اس رسول کی دعوت قبول نہ کی تو وہ عذاب میں پکڑا گیا، اسی طرح اگر تم اس رسول کی بات نہ سنے گے تو عذاب میں گرفتار ہو گے۔

اس سے چند باتیں بالکل صاف ہو گئیں۔ پہلی یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون اور اس کی قوم کے پاس اسی طرح رسول بنا کر بھیجے گئے تھے جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی طرف بھیجے گئے تھے۔ دوسری یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی فرعون اور اس کی قوم کی طرف اسی طرح شاہد یعنی اللہ کے دین کے داعی بنا کر بھیجے گئے تھے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل عرب

کی طرف اللہ کے دین کے داعی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ تیسری یہ کہ فرعون اور اس کی قوم کا جرم بھی بیان دیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کا تھا۔ یعنی جس طرح قریش نے اللہ کے رسول کی دعوت زمانی اسی طرح فرعون اور اس کی قوم نے بھی اللہ کے رسول کی بات زمانی۔

دوسری جگہ اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ یہ بات بھی قرآن نے بیان کر دی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس ایمان، تزکیہ اور خشیت الہی کی دعوت دینے کے لیے بھیجے گئے تھے۔
 اِذْ هَبْ اِنِّیْ فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی فَقُلْ هَلْ لَّاهٰٓ اِلٰہِیْ اَنْ تَزِکِّیْ وَ اٰهْلِیْکَ اِلٰہِیْ رَبِّکَ فَتَحْشٰی (۱۰۸)۔
 فرعون کے پاس جاوہر کرش ہو گیا ہے۔ اور اس کو کیا بتاؤں کہ تم میں سے کون ہے جس کا رب اللہ ہے۔
 اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس اس لیے بھیجے گئے تھے کہ اس کے اندر اگر نیک اور پاک انسان بننے کا کچھ دم داعیہ ہو تو اس کو پاکیزہ زندگی کا طریقہ بتائیں اور اگر خدا شناسی کا کچھ میلان ہو تو اس کو خدا کی صفوں اور اس کے حکموں کی تعلیم دیں تاکہ وہ خدا سے ڈرے۔ نیز اسی آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قرآن کی اصطلاح میں طغیان کا مطلب یہ ہے کہ آدمی میں خلاصے بے پروائی پیدا ہو جائے۔

یہی بات ایک اور مقام میں بیان ہوئی ہے۔ اور وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ ہدایت ملی گئی ہے کہ نہایت نرمی اور دلجوئی کے ساتھ فرعون کو تبلیغ حق کی جائے تاکہ تذکرہ خشیت کی راہ اختیار کرے میں اس کے لیے داعی کی طرف سے کوئی چیز مانع نہ ہو۔
 اِذْ هَبْ اَنْتَ وَاٰحُوْلَکَ وَ کُلُّ نَفْسٍ اِیْ ذِکْرِیْ اِذْ هَبَا اِنِّیْ فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی فَقُلْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاَنْتَ لَکَ یَتَذَکَّرُ (۱۰۹)۔
 تم اور تمہارے بھائی دونوں میری نشانوں کو لے کر جاؤ اور میرا ذکر بند کرنے میں ڈھیچے نہ پڑنا۔ فرعون کے پاس جاوہر کرش ہو گیا ہے اور اس کی ذہنی کے ساتھ تبلیغ کرو تاکہ وہ یاد دہانی حاصل کرے یا ڈرے۔

اسی سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام خود فرعون سے فرماتے ہیں:

قَدْ جِئْنَاکَ بِبَیِّنٰتٍ مِّنْ رَبِّکَ وَ السَّلَامَ عَلٰی سَبَیْلِ الْهُدٰی اِنَّا قَدْ اَوْحٰی اِلَیْنَا اَنْ الْعَذَابُ عَلٰی مَنْ کَفَرَ وَ تَوٰتٰی
 ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے ایک نشان لے کر آئے ہیں اور سلامتی ہے اس کے لیے جو ادر کے طریقہ کی پیروی کرے۔ تیرے پاس یہ وحی آئی ہے کہ عذاب کا عذاب اس پر آئے گا جو جھٹلے گا اور سزا ہوئے گا۔

”اہدی“ کے معنی اللہ کی ہدایت کے ہیں جیسا کہ فرمایا ہے (قُلْ اِنَّ هٰذِیْ السَّیِّئَۃَ هُوَ الْفُتُوْرُ) جس سے صاف واضح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس صریح بنی اسرائیل کو آزاد کرانے کے لیے نہیں گئے تھے بلکہ اللہ کی ہدایت لے کر گئے تھے جس کو قبول کرنے کی صورت میں فرعون کے لیے اللہ کی رحمت تھی اور جس سے اعراض کرنے کی صورت میں اس کا قہر و عذاب۔
 حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی قوم کے سامنے توحید و معاد پر تقریریں بھی کیں۔

قَالَ فَمَنْ رَبُّکُمْ یٰمُوسٰی قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ هَدٰی۔ قَالَ فَمٰذَا لِّلْقُرْءٰنِ الْاَوَّلٰی۔ قَالَ عَلِمَہَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ لَا یُغٰیبُ
 اس نے پوچھا تمہارا رب کون ہے اے موسیٰ؟ جواب دیا ہمارا رب وہ ہے جو نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کی ہدایت بخشی۔ پوچھا اگر اس کے کتب کا حال میرے دیکھ تم میں سے ایک سے

رَبِّیْ وَلَا یَنسِی - الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَرۡصَدًا
وَسَلَّکَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً
فَاَخْرَجَ بِهَا زُرُوعًا مِّنۡ تَبَاتٍ شَتٰی - کُلُوْا وَارۡعَوْا
اِنۡعَامَکُمۡ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَبۡصَاحِ
خَلَقْنَاکُمْ وَفِیْهَا نَعِیۡدُکُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُکُمۡ تَارَةً
اُخۡرٰی (طہ)

قرآن نے توحید پر بعض سناظرے بھی نقل کیے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان ہوئے۔
فرعون نے پوچھا اور یہ رب اعلیٰ کیا ہے؟ جواب دیا آسمانوں اور
زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب۔ بشرطیکہ تم یقین کرو۔ اس نے
اپنے دیواریوں سے کہا، سنتے ہو؟ کہا تھا راہی رب اور تمہارے پچھلے بزرگوں
کا بھی رب۔ کہا یہ رسول، جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، یہ تو پاگل معلوم ہوتا ہے۔
اس نے کہا مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب۔
بشرطیکہ تم سمجھو بولا اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھیں
ایہا غیری لا جعذبک من المسجونین (شعرا) قید خانہ کے حوالہ کردوں گا

فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ شکایت بھی تھی کہ یہ جس بات کی دعوت دے رہے ہیں ہم نے اپنے بزرگوں سے نہیں
سنی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے جواب میں یہ فرماتے کہ میں تمہارے پاس اللہ کی ہدایت لے کر آیا ہوں۔ یہ بعینہ وہی شکایت
ہے جو ہر نبی کی قوم نے اس کی دعوت کے متعلق کی ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب بھی بعینہ وہی ہے جو ہر نبی نے
قوم کے اس اعتراض کے جواب میں دیا ہے۔

وَمَا تَعْبَأُنَا بِهٰذَا فِیۡ اٰیٰتِنَا الْاَوَّلِیۡنَ - وَقَالَ
مُوسٰی رَبِّیْ اَعَلَمَ مِنۡ جَآءِیَا ہٰذِہِ مِنْ عِنۡدِکَ
وَمَنۡ تَکُوۡنُ لَہٗ عَآقِبَةُ الدَّارِ اِنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ
الظَّٰلِمُوۡنَ - وَقَالَ فِرْعَوۡنُ یٰۤاَیُّهَا الْمَلٰٓئِکَةُ عَلِمْتُ
لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہِ غَیۡرِیْ

اور ہم نے تو یہ بات (توحید) اپنے انگوٹوں میں انیس بنی اور موسیٰ نے
کہا میرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون اس کے پاس سے ہدایت لے کر آیا
ہے اور انجام کار کی کامیابی کس کا حاصل ہوگی۔ یقیناً ظالم فلاح نہیں
پائیں گے۔ اور فرعون نے کہا اے لوگو! میں تمہارے لیے اپنے
سوا کسی معبود سے واقف نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سارا جھگڑا فرعون سے بنی اسرائیل کی آزادی ہی کے لیے تھا تو فرعون کے اس اعتراض کا کیا
مطلب کہ حضرت موسیٰ آبا و اجداد کے طریقہ کے خلاف ایک بدعت پھیلا رہے ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس جواب
کا کیا موقع پیدا ہوا کہ میں اگرچہ اپنی دعوت کی تائید میں آبا و اجداد کے طریقہ کی سند نہیں رکھتا لیکن اللہ تعالیٰ کی سند رکھتا ہوں؟
اور پھر اس بات کی ضرورت کیا پیش آئی کہ فرعون اپنے تمام ارباب حل و عقد کو اس بات پر متنبہ کرے کہ میرے سوا کسی کو

الزمانہ

اس سے زیادہ واضح بات ایک یہ ہے کہ فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جو سب سے بڑا اندیشہ تھا وہ یہ نہ تھا کہ بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ لے کر اٹھے ہیں بلکہ یہ تھا کہ یہ کہیں اس کی قوم کا دین تبدیل دیں اور ملک میں اس کی خدائی کے خلاف بغاوت نہ برپا کر دیں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ
رَبَّهُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي
الْأَرْضِ الْفَسَادَ (المومن)

اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کیے دیتا ہوں
اور وہ اپنی مدد کے لیے اپنے رب کو بلائے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ تمہارا
دین تبدیل دے یا ملک میں فساد برپا کر دے۔

اور فرعون کا یہ اندیشہ بالکل بجا تھا۔ قبطیوں کے اندہ بہت سے لوگ کھلم کھلا حضرت موسیٰ پر ایمان لا چکے تھے جن میں سب سے زیادہ حق پرست اور جبری وہ لوگ تھے جو اپنے سحر سے حضرت موسیٰ کے معجزات کا مقابلہ کرنے آئے تھے اور بالآخر حق کی طاقت سے مغلوب ہو کر سحر سے تائب ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو فرعون کے جبر و ظلم کی وجہ سے اپنے ایمان کو چھپاتے تھے۔ چنانچہ ان کے اندر سے ایک شخص نے اس وقت اپنے ایمان کا اعلان کیا جب اس کی قوم نے حضرت موسیٰ کے قتل کا ارادہ کیا ہے اور اس وقت اس نے فرعون اور اس کی قوم کے سامنے دعوت ایمان پر ایک تقریر کی ہے جو قرآن مجید میں نقل ہوئی ہے۔ اس تقریر کو پڑھ کر ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور فرعون کے درمیان اصلی کشمکش بنی اسرائیل کی آزادی کے لیے نہیں تھی بلکہ ایمان باللہ، ایمان بالرسول، ایمان بالآخرت کے لیے تھی۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ ساری چیزیں ٹھیک انہی دلائل اور انہی تفصیلات کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سامنے پیش کی تھیں جن دلائل و تفصیلات کے ساتھ ہر نبی نے اپنی قوم کے سامنے پیش کیں۔ اس پوری تقریر کو پڑھیے۔ یہ مرد حق، عین موقع کا گواہ بھی ہے اور آل فرعون میں سے بھی ہے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی دعوت کے جس صورت میں پیش کرتا ہے وہ کتنی مختلف ہے اس صورت سے جس صورت میں ہمارے یہ بزرگان دین حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیش کر رہے ہیں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ
رَبَّهُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ
فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ وَقَالَ مُوسَى إِنِّي عُذْتُ
بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ
وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ
أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ
بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ وَإِنْ يَكُ ذَاكَ فَعَلَيْكُمْ كَذِبُهُ
وَإِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ
إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ لِقَوْمِ

اور فرعون نے کہا ہٹو میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور وہ پکارے اپنے
رب کو (اپنی مدد کے لیے) مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل دے یا ملک
میں فساد برپا کر دے۔ اور موسیٰ نے کہا میں نے ہر شکر ہے۔ جو روز آخرت پر
ایمان نہیں رکھتا، اپنے اور تمہارے رب کی پناہ پکڑی۔ اور ایک مومن
نے جو آل فرعون میں سے تھا اور اب تک اپنے ایمان کو چھپائے
ہوئے تھا، کہا کیا تم ایک ایسے شخص کو قتل کر دو گے جو یہ کہتا ہے کہ میرا
رب اللہ ہے اور حال یہ ہے کہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی کھلی
ہوئی نشانیاں لے کر آیا ہے؟ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال
اس پر آئے گا اور اگر سچا ہے تو جس عذاب کی دھمکی تم کو سن رہا ہے اس کا

لَكُمْ الْمَلَائِكَةُ الْيَوْمَ ظَاهِرِينَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَأْسِ اللَّهِ إِنْ جَاءَنَا قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَىٰ وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَوْمَ يَوْمِ أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ يَوْمِ الْأَحْزَابِ مِثْلَ دَابِ قُومِ نُوحٍ وَعَادٍ وَفُودٍ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ وَمَا اللَّهُ بِزَاهٍ تَطْلُمَا لِلْعِبَادِ هُوَ يَقُومُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ يُورِثُكَ مَدْيَنُ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاجِمٍ وَنَحْنُ نُضَلُّ لِلَّهِ فَمَا لِهَ مِنْ هَادٍ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي سَبِيلِ مَا جَاءَكُمْ مِنْ حَقٍّ إِذْ هَدَيْتُمْ فَلَقَدْ كَذَبْتُمْ عَنْتُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنِ هُوَ فِي شِرْكٍ مُرِنَا هَ الْذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَا هُمْ كُتُبًا مَقَامًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ يُطَهِّرُ اللَّهُ عَنْ كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ حَبَايِرَهُ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَ مَا مَنَ آتَىٰ فِي صَدْرِكَ الْعِلْمُ أَتَبْلُغُ الْأَسْبَابَ أَسْبَابَ السَّمَوَاتِ فَاطْلُعْ إِلَى الدُّمُومِ وَارْحُتْ لَا ظُلْمَةَ كَاذِبًا وَكَذَلِكَ رُسُومُ فِرْعَوْنَ سُوءُ عَمَلِهِ وَصَدُّ عَنِ السَّبِيلِ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَقُومُ الْيَقِينُ أَهْدِيكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ يَقُومُ إِمَّا هَذِهِ الْحَيَوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ بِهِيَ جَارٌ الْقَرَارِ مِنْ عَمَلٍ سَيِّئٍ فَلَا تُخْزِي إِلَّا الَّذِينَ هَلَا وَنَ عَمَلٍ صَالِحًا مِنْ ذِكْرٍ وَأُنْثَىٰ وَهُوَ مِنْ فَاوْئِلَهِ يُدْخِلُونَ الْجَنَّةَ يَرْزُقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ وَنَقُولُ مَا لِي أَدْعُوكُمْ إِلَى النَّجَاةِ وَتَدْعُونَنِي إِلَى النَّارِ تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَآشْرِكُ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيمِ الْغَفَّارِ لَا جَرِيمَ أَنْتُمْ تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَكَ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَإِنَّ

کوئی حصہ تم پر آگے رہے گا۔ امد اس شخص کو کہ یاب نہیں کرتا جو زیادتی کرنے والا اور جھوٹا ہے۔ اے میری قوم کے لوگو! آج تم کو اختیار حاصل ہے اور ملک میں غالب ہو (اس وجہ سے موسیٰ کو قتل کر سکتے ہو) لیکن اللہ کے عذاب سے تم کو کون بچائے گا اگر وہ آگیا؟ فرعون نے کہا میں تم کو دی شہر و سہرا ہوں (موسیٰ کے قتل کے بارے میں) جو میرے نزدیک صحیح ہے اور میں ٹھیک راستہ کی طرف تمہاری رہبری کر رہا ہوں۔ اور جو شخص ایمان لایا تھا اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اگر تم نے موسیٰ پر ہاتھ اٹھایا تو تم پر بھی وہی عذاب آئے گا جیسا کہ گذشتہ جاحظوں پر آیا۔ (اور وہی حال ہوگا) جو فرج کی قوم اور عاد و ثمود اور ان لوگوں کی جو جو ان کے بعد آئے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں چاہتا اور اے میری قوم کے لوگو مجھے ڈر ہے کہ تم پر ایک بھلا کار کا دل آدھکے جس دن تم پیٹھ پیچھے بھاگو گے اور تم کو اللہ کی کڑی پکارتی ہوگی۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور اس سے پہلے یوسف تمہارے پاس کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آیا تو تم اس کی لائی ہوئی باتوں کے متعلق براہِ شکیبائے رہے یہاں تک کہ جب وہ مر گیا تو تم نے کہا اب اس کے بعد اللہ کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ گمراہ کر دیتا ہے ان لوگوں کو جو زیادتی کرنے والے اور شک میں پڑنے والے ہوتے ہیں جو لوگ اللہ کی آیات کے بارے میں بغیرِ کراہت و دلیل کے جو ان کے پاس آئی جو سب دھڑکی کرتے ہیں، ان کا رویہ اللہ اور اہل ایمان کے نزدیک ناپائیدار بنوٹا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر کر دیتا ہے ہر شکر اور سرکش کے دل پر۔ اور فرعون نے کہا اے ہامان میرے ایک محل بنوا کر میں بندوں پر بیچوں، آسمانوں کی بندوبستوں پر اور موسیٰ رب کو دکھوں میں تو اس کو بالکل جھوٹا خیال کرتا ہوں۔ اسی طرح فرعون کی نفروں میں اس کی بدعقلی کھا دی گئی اور وہ واہ حق سے روک دیا گیا اور فرعون کی مکاری کو نابود ہی ہونا تھا۔ اور جو ایمان لایا تھا اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو میری پیروی کرو کہ میں تمہاری رہنمائی راہِ حق کی طرف کروں۔ اے میری قوم یہ دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے۔ ہمیشگی کا گھر تو آخرت ہے جس نے کوئی بدی کی تو صرف اس کے مانند بدو دیا جائے گا اور

مَرَدْنَا إِلَى اللَّهِ وَإِنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ
فَسَتَذْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَأَفَوضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ
إِنَّ اللَّهَ بِصِيتِهِ الْعِبَادَ فَوْقَ كُلِّ شَيْءٍ مَا مَكَرُوا
وَحَقَّ بِاللَّهِ فِرْعَوْنُ مَنُوعًا لِّلْعَذَابِ (المومن)

جس نے نیکی کا فی، خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو وہی لوگ جنت
میں جائیں گے اور اس میں بے حساب روزی پائیں گے۔ اے میری قوم کے لوگ
کیا بات ہے، میں تمہیں نجات کے راستے کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے جہنم کی
طرف پکار رہے ہو؟ تم مجھے دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں، اور

اس کا کسی ایسی چیز کو سا بھی قرار دوں جس کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں اور میں تم کو خدا کے عزیز و غفار کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔ بلاشبہ جس چیز
کی طرف تم مجھے بلاتے ہو اس کا بارہا کہیں نہیں ہے۔ دنیا میں نہ آخرت میں۔ ہمارا دوشادہ اللہ کی طرف ہو گا اور زیادتی کرنے والے جہنم میں ہوں گے تو
اس وقت تم یاد کرو گے جو کچھ میں کہتا ہوں اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ بے شک اللہ بندوں کا نگرانِ حال ہے۔ پس اللہ نے اس کو ان کی
تدبیروں کے شر سے بچایا اور آل فرعون کو رستہ عذاب کے گھیر لیا۔

یہ پوری تقریر جو عین فرعون کے دربار میں ہوئی ہے اور ایک ایسے شخص نے کی ہے جو آل فرعون میں سے ہے یا بار بار پڑھیے۔ اس
پیچ میں فرعون کی طرف سے مداخلتیں بھی ہوتی ہیں۔ ان کو بھی بدش نظر رکھیے اور پھر غور کیجیے کہ کیا فی الواقع حضرت موسیٰ اور فرعون
کی یہ ساری کشمکش بنی اسرائیل کی آزادی کے لیے تھی یا یہ کفر و ایمان، توحید و شرک اور حب دنیا اور ایمان بالآخرت کی یہ کشمکش
ہے جو برہنہ اور اس کی قوم کے مستکبرین کے درمیان برپا ہوتی رہی ہے؟ اس میں تو بنی اسرائیل کی آزادی و غلامی کا سرسے کوئی
ذکر ہی نہیں آتا۔ نہ استغاثہ کی طرف سے نہ صفائی کی طرف سے۔ فرعون حضرت موسیٰ پر الزام لگاتا ہے کہ یہ قوم کا (قطیوں کا)
دین بگاڑ رہے ہیں اور اس کی خدائی کے خلاف بغاوت برپا کر رہے ہیں اس وجہ سے مستحق ہیں کہ قتل کر دیے جائیں۔ یہ مرد حق
اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ایک شخص کو محض اس جرم میں قتل کرنا کہ وہ صرف اللہ واحد کو اپنا رب مانتا ہے، کوئی اضافہ
کی بات نہیں ہے، درحالیکہ اس کے پاس خدا کی نشانیاں بھی موجود ہیں۔ اگر یہ زیادتی کی گئی تو اس کا وبال پوری قوم پر آگے
سبھا گا۔ فرعون کہتا ہے رائے صاحب وہی ہے جو میں دے رہا ہوں۔ مرد مومن اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اگر اس رائے
پر عمل کیا گیا تو قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور دوسری معذب قوموں کے انجام سے دوچار ہونے کے لیے تیار رہیے۔ پھر یہ بھی
 واضح کر دیتے ہیں کہ موسیٰ ہمارے پاس اسی طرح کی دعوت حق لے کر آئے ہیں جیسی حضرت یوسف نے کر آئے تھے لیکن آپ
لوگوں کا دل ان کی دعوت پر بھی نہیں جا اور پھر اپنے لیے کسی رسول کی بشت کی طرف سے آپ لوگ بالکل نچت ہو کے
بیٹھ گئے اور اب اللہ کی آیات کے بارے میں خواہ خواہ کی بہت دھڑی سے کام لے رہے ہیں۔ پھر اس کے بعد اپنی پوری قوم
کے سامنے آخرت پر جنت و دوزخ پر کفر و شرک پر نہایت مؤثر خطبہ دیتے ہیں اور لوگوں کو نجات کے راستے کی طرف دعوت دیتے
ہیں۔ پھر آخر میں ان سے مایوس ہو کر اپنا معاملہ اللہ کے حوالہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہت جلد میری نصیحتوں کو یاد کرو گے اور
اپنی غلطی پر پھٹاؤ گے۔ اس کے بعد اس بات کا بھی ذکر آتا ہے کہ ان کی قوم نے ان کے قتل کی بھی تدبیریں کیں لیکن اللہ تعالیٰ نے
ان کو بچایا اور اغلب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ انھوں نے بھی ہجرت فرمائی۔

اگر یہ سارا جھگڑا بنی اسرائیل کی آزادی ہی کے لیے تھا اور کفر و ایمان اور شرک و توحید کے بجائے حاکم و محکوم محض اس بات
کے لیے لڑ رہے تھے کہ محکوم قوم کو اپنی تعمیر با اختیار خود کرنے کا حق ملنا چاہیے تو اس طرح کی آویزش کا نتیجہ یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ

قبطیوں کے اندر ایسے ایسے کامل الایمان اور صدیق پیدا ہوں۔ اس طرح کی نزاع، جو دو قوموں میں محض سیاسی برتری کے لیے برپا ہو اور جو خالص نسلی فرق و امتیاز کے مطالبات پر قائم ہو، اس کا لازمی نتیجہ تو یہ ہونا تھا کہ ایک قوم دوسری قوم کی من حیث القوم دشمن ہو اور اس کے مذہب اور اس کی روایات سے نفرت کرے۔ اور اگر محض انسانی ہمدردی کے داعیہ کی وجہ سے کچھ افراد ایسے نکل بھی آئیں جن کو مظلوم کے مطالبات سے کچھ ہمدردی ہو جائے تو وہ ہمدردی زیادہ سے زیادہ اس نوعیت کی ہو سکتی ہے جس طرح کی ہمدردی بعض نیک مزاج انگریز ہندوستانیوں کے مطالبات کے ساتھ کرتے ہیں لیکن یہ تو عجیب بات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قبطیوں سے لڑائی تو محض بنی اسرائیل کی سیاسی آزادی کے لیے لڑیں لیکن اس لڑائی کے نتیجے کے طور پر قبطیوں کے اندر اس طرح کے اہل الایمان پیدا ہوں جس طرح کے اہل الایمان آنحضرت صلیعم کی دعوت سے قریش کے اندر پیدا ہوئے۔

اس سلسلہ کی آخری بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر سے ہجرت اور فرعون اور اس کی فوج کا غرق ہونا ہے۔ جس وقت فرعون موجوں کے گھیرے میں آجاتا ہے اس وقت بے تحاشا اس کی زبان سے وہ بات نکل جاتی ہے جس کی حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو دعوت دے رہے تھے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی انتہائی جدوجہد کے باوجود وہ اس کے زمانے پر اڑا رہا۔ یعنی اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت کی دعوت۔

حَتَّىٰ إِذَا دَسَّكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَتَسْتَأْذِنُ
لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَٰئِيلَ وَآنَا
مِنَ الْمُسْلِمِينَ ذَكَرْنَاهُ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ
مِنَ الْمُفْسِدِينَ (یونس)

یہاں تک کہ جب وہ غرق ہونے لگا تو پکارا اٹھا کریں ایمان لایا
اس بات پر کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ جس پر ایمان لائے ہیں بنی اسرائیل
اور میں اطاعت کرنے والوں میں ہوں۔ اب، حالانکہ تم نے اس سے پہلے
نا فرمانی کی اور تم خدا پر پا کرنے والوں میں تھے۔

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس ایمان و اسلام کی دعوت لے کر نہیں گئے تھے، صرف بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ لے کر گئے تھے تو اس کو آخری وقت میں ایمان و اسلام کے اقرار کے بجائے یہ کہنا تھا کہ ہائے میری بد بختی، میں نے بنی اسرائیل کو رہا کیوں نہ کیا؟ یہ ایمان و اسلام کا اقرار تو صاف اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ ساری کشمکش و حقیقت ایمان و اسلام کے لیے تھی نہ کہ بنی اسرائیل کی سیاسی آزادی کے لیے۔

ان تمام باتوں پر غور کیجیے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک قوم پرست لیڈر کی طرح فرعون اور اس کی قوم کے پاس اپنی قوم کی آزادی کے لیے نہیں بلکہ وہ دعوت لے کر گئے تھے جو حضرات انبیائے کرام ہمیشہ اپنی اپنی قوموں کے مستکبرین کے پاس لے کر گئے۔ یہ دعوت انھوں نے پیش کی۔ اس کے لیے انھوں نے مناظرے اور مجاہدے کیے۔ مجاہدات دکھائے اللہ تعالیٰ کو حجت تمام کی۔ یہاں تک کہ یہ حجت اس قدر واضح ہوئی کہ مستکبرین کے اندر سے جو لوگ نیک فطرت کے تھے انھوں نے بھی اس کو قبول کر لیا اور پھر پوری قوت کے ساتھ اس دعوت کو بلند کرنے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دیا۔ لیکن جب خود اپنے غمیر کی آواز سن لینے کے بعد بھی فرعون اور اس کے مفسد ارکان و اعیان نہ صرف اپنے کفر و شرک ہی پر اڑے رہے بلکہ انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا بھی ارادہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ کی اس سنت کے مطابق جو اس نے انبیاء کے لیے

مقرر کر رکھی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اہل ایمان کے ساتھ ہجرت فرمائی اور فرعون اور اس کی قوم پر خدا کا عذاب آگیا۔ اللہ تعالیٰ کی یہی سنت تمام انبیاء اور ان کے جھٹلانے والوں کے اندر جاری رہی ہے اور یہی ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے جھٹلانے والوں کے درمیان دیکھتے ہیں۔ دوسرے انبیاء اور ان میں اگر فرق ہے تو دعوت اور مقاصد دعوت میں نہیں ہے اور دعوت کے مدارج و مراحل میں ہے۔ صرف اس بات میں فرق ہے کہ ان کی قوم کے مستکبرین و متفرقین نسل کے لحاظ سے مختلف تھے اور دوسرے انبیاء کی قوموں کے مستکبرین خود انہی کے اندر کے تھے لیکن یہ کوئی ایسا جو ہر فرق نہیں کہ اس کی وجہ سے نبی کی دعوت میں کوئی فرق پیدا ہو جائے۔ اور وہ اللہ کے رسول کی جگہ ایک نیشنلسٹ لیڈر کی پوزیشن اختیار کر لے۔

حضرت موسیٰ کا کام بنی اسرائیل کے اندر اب اسی طرح اس سوال پر غور کیجیے کہ مصر کی زندگی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے اندر کیا کام کیا؟ کیا کفر و اسلام اور شرک و توحید کا سوال چھیڑے بغیر انہوں نے ہر اسرائیلی کو آزادی کے مطالبہ پر جمع کر لیا اور ان کے کافرو مومن میں کوئی فرق نہیں کیا یا تمام انبیاء کی طرح انہوں نے بھی اپنی قوم کو ایمان و اسلام کی دعوت دی اور جن لوگوں نے ان کی دعوت قبول کی انہی سے اپنی جماعت بنائی؟

اس سلسلہ میں سب سے پہلا حکم جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا وہ یہ ہے:-

وَاِنَّا اخْتَرْنَاكَ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ ۚ اِنَّا نَحْنُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ
اور میں نے تم کو انتخاب کیا تو سزاوارہ بات جو تم پر وحی کی جاتی ہے۔
لَا يَبْغِي عَلَيْكَ اِلٰهٌ اِلَّا اَللّٰهُ ۚ اِنَّا نَحْنُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ
لا رب میں ہی اللہ ہوں، نہیں ہے کوئی معبود مگر میں پس میری ہی بندگی
کرو اور میرے ذکر کے لیے ناز قائم کرو۔ قیامت آئے رہے گی۔

یہ توحید، معاد اور قیام ناز کا وہی حکم ہے جو ہر نبی کو اول اول بطور اصول دین تلقین کیا جاتا ہے اور اسی کو لے کر وہ اپنی قوم میں جاتا ہے۔ اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ احکام ملیں اور وہ ان کی پڑائے بغیر بنی اسرائیل کو نفسی عصیت کے نفور پر، فرعون اور اس کی قوم سے آزادی کی لڑائی لڑنے کے لیے جمع کرنا شروع کر دیں۔

اس سلسلہ کی دوسری نہایت اہم آیت یہ ہے:-

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوسٰى بِآيٰتِنَا اَنْ اَخْرِجْ
قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۚ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنتُمْ يٰۤاٰهْلَ الْاٰثٰرِ
اور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی آیتوں کے ساتھ کہ نکالو اپنی قوم
کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف اور ان کو یاد دلاؤ اللہ کی نعمت و نعمت
کے دن۔ بے شک اس کے اندر ہیں دلیلیں ہر ثابت قدم اور شکر گزار کے لیے۔

اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لیجانا ہر پیغمبر کا فرض منصبی ہے اور تقریباً انہی الفاظ میں قرآن مجید نے ہر نبی کی صفت بیان کی ہے کہ وہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لیجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تاریکی سے مراد عقائد و اعمال کی ظلمت اور روشنی سے مراد ایمان و اسلام کی روشنی ہے۔ اور جب اس کا مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ قوم کو عقائد و اعمال کی تاریکیوں میں چھوڑ کر صرف اس کی سیاسی آزادی کی فکر میں پڑ جاتے۔

اب اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان کاموں کو دیکھیے جو انہوں نے مصر کی بالکل ابتدائی زندگی میں اپنی قوم کے اندر کیے۔

میں موسیٰ پر ایمان لائے مگر اس کی قوم کے کچھ نوجوان فرعون اور اپنے سرداروں سے ڈرتے ہوئے کہیں وہ کسی آفت میں نہ ڈال دیا جائے۔ بے شک فرعون ملک میں مستبد اور زیادتی کرنے والا تھا۔ اور موسیٰ نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اگر تم اس پر ایمان لائے ہو تو اسی پر توکل کرو اگر تم مسلم ہو۔ انھوں نے کہا ہم نے اس پر توکل کیا۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ظالموں کے فتنہ کا نشانہ نہ بنا اور ہم کو اپنی رحمت سے کافروں کی قوم سے نجات دے۔ اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کے پاس ہی بھیجی کہ تم اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور ایمان والوں کو خوش خبری دو۔ اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے ہاویوں کو دنیا کی زندگی میں زیستہ اور مال دیا ہے تاکہ وہ تیری راہ سے لوگوں کو بھٹکائیں

فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّتَهُ مِّنْ قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمُ إِن يَفْتَنَهُمْ وَإِنْ فِرْعَوْنُ لَعَالِي فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ۚ وَقَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِمَا اللَّهُ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا ۚ إِنَّ كُنْتُمْ مُّسْلِمِينَ ۚ فَقَالُوا عَلَىٰ اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۚ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَابْتَئُوا الْمَوَاسِينَ ۚ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَئَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَن سَبِيلِكَ

یہ اس وقت کا حال بیان ہوا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت شروع ہوئی ہے۔ اس کا تجزیہ کر کے دیکھیے کہ مصر کی ابتدائی زندگی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارد گرد بنی اسرائیل کے جو افراد اکٹھے ہوئے تھے وہ کس دعوت پر جمع ہوئے تھے؟ ان کے سامنے اخلاق و عمل کے کیا اصول تھے؟ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے کس اعتبار سے ملحدہ سمجھتے تھے؟ مصر کی زندگی میں ان کو خاص تربیت کس بات کی دی جا رہی تھی؟ اور فرعون اور اس کی قوم سے ان کی لڑائی کس بات کے لیے تھی؟

الف۔ ان آیات سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابتدائے دعوت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر صرف تھوڑے سے نوجوان ایمان لائے۔ اور انہی مومنین سے ان کی جماعت بنی۔ یہ نہیں ہوا کہ محض قومی نعرہ پر انھوں نے ہر اسرائیلی کو اپنے پیچھے لگالینے کی کوشش کی ہو۔

ب۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مناسب مواقع پر اپنے صحابہ کو ایمان و اسلام کے تحقیقات و مطالبات سمجھاتے رہتے تھے چنانچہ ابتدائی دور میں جب اندیشہ ہوا کہ فرعون کی طرف سے ان کے ساتھیوں پر سختیاں ہوں گی تو انھوں نے لوگوں کو ایمان و اسلام کی حقیقت سمجھائی کہ اگر ایمان و اسلام کا دعویٰ لیکر اٹھے ہو تو خدا پر پورا بھروسہ رکھو اور ان کے صحابہ نے یہ کہا کہ ہم اس پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ بعینہ یہی بات سورہ اعراف میں بھی بیان ہوئی ہے۔ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُؤْتِيهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، اللہ سے مدد چاہو اور ثابت قدم رہو۔ بے شک ملک اللہ کا ہے جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے دے اور انجام کار کی کامیابی اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہے)

ج۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابہ نسلی قومیت کے اختلاف کی وجہ سے فرعون اور اس کی قوم سے نجات نہیں چاہتے

تھے بلکہ قوم کافر کے ظلم و ستم سے نجات چاہتے تھے (وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ) جس کے معنی یہ ہیں کہ قبطیوں سے ان کی نزاع عقائد و اصول کی نزاع تھی نہ نسل و نسب کی۔ اور سیاسی و معاشی مفاد کی۔

۵۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر کی ابتدائی زندگی ہی میں حکم ملا کہ مصر میں مختلف مسجدیں تعمیر کر کے (اور غائباً) اپنی مسجد کو مرکز بنا کر نماز کا اہتمام کریں۔ یہ وہی تربیت و تزکیہ ہے جو ہر نبی کی دعوت میں ہم کو سب سے مقدم اور سب سے زیادہ اہم چیز کی حیثیت سے نظر آتی ہے۔

۶۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ نماز قائم کرنے والے اہل ایمان کو اللہ کی تائید و نصرت کی بشارت دو (وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ) یہ نہیں کہا گیا کہ بنی اسرائیل کو بشارت دو۔

۷۔ آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے جو دعا کی ہے اس میں فرعون کی یہ شکایت نہیں کی ہے کہ اس نے اقتدار پاکر ان کی قوم کی خود مختاری چھین لی ہے بلکہ یہ شکایت کی ہے کہ (رَبَّنَا لِيُصَلِّتُوا عَنْ مَسِيحِكَ) اسے پروردگار ان کا مال و جاہ اس لیے ہے کہ وہ تیری راہ سے لوگوں کو بھسکائیں۔

ان ساری باتوں کو سامنے رکھ کر غور کیجئے کہ کیا یہ بعینہ وہی دعوت نہیں ہے جو مکہ کی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور کیا یہ وہی تربیت نہیں ہے جو ہجرت سے پہلے صحابہ کو دی گئی؟ کیا ان واضح دلائل کے بعد بھی اس غلط فہمی میں پڑنے کا کوئی موقع ہے کہ مصر کی زندگی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے کافر و مومن میں کوئی فرق نہیں کیا بلکہ ان کو بحیثیت بنی اسرائیل آزاد دی کے مطالبہ پر متفق کرنے کی کوشش کی؟

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تنظیم، بلا لحاظ کفر و ایمان، مجرد نسلی قومیت پر مبنی ہوتی تو مشہور اسرائیلی سربراہ دار، قارون اس سے الگ نہ رکھا جاتا بلکہ جس طرح وطنی اور نسلی قومیت کی اساس پر اٹھنے والی تحریکیں برلا، دلیا، بجاج اور سینٹوں، ماجنوں، مینکروں اور تعلقہ داروں کو اپنانے کی کوشش کرتی ہیں اور آسانی سے اپنا لیتی ہیں اسی طرح حضرت موسیٰؑ بھی نہایت آسانی سے اس کو اپنی تحریک کا ایک لیڈر بنا لیتے لیکن ہوا یہ کہ آل فرعون کا ایک مومن جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، موسیٰ علیہ السلام کی تنظیم میں داخل ہو جاتا ہے لیکن بنی اسرائیل کا یہ ”سب سے بڑا آدمی“ فرعون و ہامان کے زمرہ میں داخل کر دیا جاتا ہے وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْآخِرِينَ وَمَا كَانُوا مَسَاقِئِينَ (اور قارون، فرعون اور ہامان کو یاد کرو۔ ان کے پاس موسیٰ کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آیا تو انھوں نے ملک میں سرکشی کی اور ہم سے بھاگ نہ سکے) دوسری جگہ ہے۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ بَابِلْتِنَا وَمُسلطَانِ مُّبِينِ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سَاحِرٌ كَذَّابٌ (اور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانوں اور کھلی ہوئی حجت کے ساتھ، فرعون و ہامان و قارون کی طرف تو انھوں نے کہا یہ جھوٹا ساحر ہے) اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی اپنی قوم کے اس سب سے بڑے آدمی پر یہ الزام نہیں لگاتے کہ یہ ”سردار پرست“ ہے، ”قومی غدار“ ہے، ”رجعت پسند“ ہے، ”اسرائیلی لیگ کا دشمن“ ہے بلکہ اس پر یہ الزام ہے کہ ”خدا کا باغی“ ہے، ”مغرور و متکبر“ ہے، ”آخرت کا منکر“ ہے، خدا کی نعمتوں کو اپنی یا قت کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ اور اس کو جو دعوت دی گئی وہ بھی یہ نہیں ہے کہ اگر اسرائیلی ہے تو بنی اسرائیل کے ساتھ آ۔ اگر ہماری قوم میں سے

ہے تو قوم کی آزادی کی جدوجہد میں حصے لے۔ بلکہ اس کو یہ دعوت دی گئی کہ زمین میں غرور نہ کر۔ اُنہ کی نعمتوں کو حصول آخرت کا ذریعہ بنا۔ جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے تو خلق پر احسان کر۔ زمین میں خدا سے بغاوت نہ کر۔ سورہ قصص میں یہ پوری تفصیل پڑھ لیجیے۔ ہم صرف چند آیتیں نقل کریں گے۔

اِنَّ قَارُونَ مِنْ قَوْمِ مُوسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَاسْتَفْتٰهُمْ مِّنَ الْكُتُوْبِ مَا اِنَّ مَفَاجِئَهُ لَتَكُوْنُنَّ لَهَا اُولٰٓئِ الْفٰرِقٰۗتِ اِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۚ وَابْتَغِ فِیْمَا اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاٰخِرُۢنَ کَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ وَلَا تَبْتَغِ الْفَسَادَ فِی الْاٰخِرِیْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُقْسِدِیْنَ ۚ قَالَ اِنَّمَا اُوْتِیْتُہُ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ

بے شک قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا تو اس نے ان پر سرکشی کی اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیے جن کی کنجیاں ایک طاقتور رعیت سے انہی تھیں۔ یاد کر وجہ اس سے اس کی قوم نے کہا یعنی قوم کے اہل ایمان نے (اتراست، اللہ اترانے والوں کو درست نہیں رکھتا اور جو نعمت تجھے خدا نے دے رکھی ہے اس میں دار آخرت کا سامان کر اور دنیا میں سے اپنا حصہ نہ بھول اور احسان کر جیسا کہ اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے اور زمین میں فساد نہ چاہ۔ اللہ تعالیٰ فاد پر پا کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ بولایہ سب تو مجھے اپنے علم کی بدولت ملا ہے۔

ایک دن اس کی شان و عظمت دیکھ کر بنی اسرائیل کے بعض کمزور لوگوں نے جب یہ خواہش کی کہ کاش یہی شان و عظمت انہیں بھی حاصل ہوتی تو اہل ایمان نے انہیں سمجھایا کہ ”وَلَا تَبْتَغِ الْفَسَادَ فِی الْاٰخِرِیْنَ“ تم پر افسوس ہے، اللہ کا اجر اس سے بہتر ہے ان لوگوں کی جگہ ایمان لائے اور جو انہوں نے عمل صالح کیے اور یہ عظمت صرف صابروں کو ملتی ہے یا پھر قارون کی ساری عظمت و شوکت کی تباہی کا جب تم شادیکھ لیا تو وہی لوگ جو اس کو رشک کی نگاہوں سے دیکھتے تھے، پکارا اٹھے ”لَا یُطْلِحُ الْکَافِرُوْنَ“ (کافر فلاح نہیں پاتے) اس سے معلوم ہوا کہ قارون سے، باوجود دیکھ وہ ایک اسرائیلی تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اختلاف محض کفر و ایمان کی بنا پر تھا۔

کیا اس تفصیل کے بعد بھی کوئی شخص یہ گمان کر سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر میں بنی اسرائیل کے کفر و ایمان سے کوئی تفریق نہیں کیا اور صرف اسرائیلیت کی اساس پر انہوں نے بنی اسرائیل کی تنظیم محض اس مقصد کے لیے کی کہ اپنی قوم کو فرعون کی غلامی سے آزاد کریں؟

مصر کی ابتدائی زندگی میں، بعثت سے پہلے، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک ایسا فعل صادر ہو گیا جو قومی غیرت و حیثیت کے نقطہ نگاہ سے نہایت محمود تھا اور اگر وہ ایک ٹیسٹ لٹریچر ہوتے تو ان کا یہ کام نہایت شاذ و نادر امور میں گنا جاتا کیونکہ قومی حیثیت کے اعتبار سے کوئی شخص بھی اس کو مذہم نہیں قرار دے سکتا لیکن خدا کے انبیاء کسی قوم کے حریت یا کسی قوم کے دوست بن کر نہیں آتے بلکہ صرف باطل کے حریت اور حق کے دوست بن کر آتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کا یہی فعل، جو قومی حیثیت کے نقطہ نگاہ سے نہایت قابلِ تخری تھا، ان کی نظر میں شدید گناہ قرار پایا اور بار بار توبہ کرنے کے باوجود ان کے دل سے اس گناہ کی کشک نہیں نکلی۔

وَدَخَلَ الْمَدِیْنَتَ عَلٰی حِیْنٍ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِہَا فَوَجَدَ فِیْہَا رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلٰنِ ۚ هٰذَا مِنْ شِیْعَتِہٖ

اور موسیٰ شہر میں ایسے وقت داخل ہوا کہ شہر کے باشندے ابھی غافل ہی تھے تو دیکھا کہ وہاں دو شخص لڑ رہے ہیں ایک اس کی قوم

وَهَذَا مِنْ عَدَاوَةٍ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ
عَلَى الَّذِي مِنْ عَدَاوَةٍ فَوَكَزَهُ مُوسَى فَقَضَى عَلَيْهِ
قَالَ هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُضِلٌّ مُبِينٌ
قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ
هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ قَالَ رَبِّ إِنِّي بِمَا لَعَنْتَ عَلَيَّ لَئِنْ
أَكُونْتَ ظَاهِرًا لَأَجْعِلَنِي مِنْ عُمَّالِهِ

(بنی اسرائیل) کا ہے اور دوسرا اس کے دشمنوں (قبطیوں) میں سے ہے
تو اس سے مدد چاہی اس کی قوم کے آدمی نے اس شخص کے خلاف جو اس
کے دشمنوں میں سے تھا تو موسیٰ نے اس کے پیٹھ پر ماری اور اس کا خاتمہ
ہو گیا۔ موسیٰ فوراً پکارا اٹھا یہ شیطانی کام ہو گیا ابے شک شیطان کھلا ہوا
گمراہ کرنے والا ہے اور دعا کی کہ اے میرے پروردگار میں نے اپنی جان پر
ظلم ڈھایا، تو مجھے معاف کر، تو اللہ نے اس کو معاف کیا، بے شک وہ

بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ پھر کہا اے میرے پروردگار چونکہ تو نے مجھ پر فضل فرمایا ہے اس لیے اب میں مجرموں کا مددگار کبھی نہ بنوں گا۔
اس واقعہ کے دوسرے ہی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر شہر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہی اسرائیلی جو کل ایک قبطی کو مار
رہا تھا آج ایک دوسرے قبطی کے ساتھ الجھا ہوا ہے اور اس نے ان کو دیکھتے ہی پھر قہر کے لیے پکارا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے
اس کو سختی سے ڈانٹا کہ "اِنَّكَ لَعَوَىٰ مُبِينٌ" تو نہایت کھلا ہوا شریر ہے اور مجرموں کی مدد نہ کرنے کا جو وعدہ انھوں نے
اللہ تعالیٰ سے کیا تھا اس پر قائم رہے۔

یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے کی زندگی کا ہے جبکہ ان پر ایمان و عدل کے اصول ابھی الہام بھی نہیں
ہوئے تھے اور ایک عینور فوجوان ہونے کے لحاظ سے قومی حمیت ان کے لیے سب سے زیادہ قوی محرک ہو سکتی تھی بالخصوص
ایسی حالت میں جبکہ ان کی قوم مصر میں قبطیوں کے ہاتھوں اس سے زیادہ ذلیل ہو رہی تھی جتنے کہ امریکیوں کے ہاتھوں ریڈانڈ
یا انگریزوں کے ہاتھوں ہندوستانی تھی۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے کسی قوم کے بحیثیت قوم حامی اور کسی قوم کے بحیثیت
قوم حریف بننے سے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ سے صرف حق و عدل کا ساتھ دینے کا عہد باندھا اور اس عہد کی جانچ کا اتفاق سے
دوسرے ہی دن جب موقع پیدا ہو گیا تو وہ اللہ کی توفیق سے اس عہد پر قائم رہے۔ غور کا مقام ہے کہ جو حضرت موسیٰ
اپنی بعثت سے پہلے کی زندگی میں، اپنے اللہ سے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ میں کسی مجرم کا حامی نہ بنوں گا، خواہ وہ میری قوم
کا آدمی ہو، انہی حضرت موسیٰ پر ہمارے بزرگان دین یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ بعثت کے بعد کی زندگی میں اپنی قوم کے بحیثیت
قوم حامی بن گئے۔ ان کے کافر و مومن اور نیکو کار و بدکار میں انھوں نے کوئی فرق نہیں کیا۔

اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَٰئِيلَ
کی صحیح تفسیر

اس ساری بحث کے بعد ان حضرات کی تیسری غلط فہمی سے تہرض کرنے کی ضرورت باقی
نہیں رہی کیونکہ قومی آزادی کے ایک مقدس فریضہ ہونے کی ساری دلیل درحقیقت
ان دو بنیادی غلط فہمیوں پر قائم تھی جن کی نہایت تفصیل کے ساتھ ہم تردید کر چکے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور ان کے
کاموں کی صحیح نوعیت واضح ہو جانے کے بعد یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ دنیا میں جتنے نبی بھی آئے وہ ایک ہی مقصد کی
دعوت لے کر آئے۔ یعنی خالص اللہ کی بندگی اور اطاعت کی دعوت۔ ان سب کے نزدیک تمام نیکیوں اور سعادتوں کا سرچشمہ
اللہ کی بندگی اور اطاعت ہے اور تمام برائیوں کی جڑ خدا کی بندگی اور اطاعت سے انحراف ہے۔ ان کے نزدیک آزادی
کا بھی مفہوم یہ ہے کہ کسی انسان کی گردن میں اللہ کی اطاعت کے سوا کسی اور کی اطاعت کا قلاوہ نہ ہو اگرچہ وہ "اور" انسان کی

خود اپنی ہی قوم، یا اپنا ہی قبیلہ بلکہ اپنا ہی نفس ہو اور غلامی کا مفہوم ہے کہ انسان غیر اللہ کی بندگی اور اطاعت کرے اگرچہ وہ غیر اپنی ہی قوم، اپنا ہی قبیلہ اور اپنا ہی نفس ہو۔ ان کے نزدیک یہ ظلم کبیر ہے کہ کوئی قوم کسی قوم سے بھرا اپنی اطاعت کرائے اور یہ ظلم اکبر ہے کہ کوئی قوم با اختیار خود اپنے بندے ہوئے قانون کی اطاعت کرے۔ یہ دونوں ہی باتیں شرک ہیں اور انبیاء کا طریقہ ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ ایک ظلم کبیر کی مخالفت کریں اور دوسرے ظلم اکبر کو برپا کرنے کے لیے خود قیادت کا علم لے کر انھیں۔ پس اس بات کے لیے تو کوئی وجہ جواز نہیں ہو سکتی کہ جس فساد میں فرعون اور اس کی قوم کے لوگ مبتلا تھے اسی فساد کا حق اپنی قوم کے لیے حاصل کرنے کی تحریک حضرت موسیٰ علیہ السلام اٹھائیں۔ وہ اگر کر سکتے تھے تو صرف یہ کام کر سکتے تھے کہ حاکم و محکوم دونوں کو اعلم انجائین کی بندگی و اطاعت کی دعوت دیں۔ اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ انھوں نے یہ کام نہ کیا ہو۔ فرعون اور اس کی قوم سے بنی اسرائیل کی علیحدگی کی کوئی وجہ اگر ہو سکتی تھی تو یہ نہیں کہ یہ علیحدہ قوم ہیں اور وہ علیحدہ۔ بلکہ صرف یہ ہو سکتی تھی کہ یہ یومین ہیں اور وہ کافر۔ دو قوموں کا مجر و نسلی اور وطنی امتیازات کی بنا پر الگ الگ اپنی حاکمیت کا علم گاڑنا تو وہ عصیت جاہلیت ہے جس پر انبیاء لعنت کرنے کے لیے بھیجے جاتے ہیں نہ کہ اس کی تحریک چلانے کے لیے۔ پس فرعون اور اس کی قوم کے لوگ اگر ایمان لاتے اور اپنی حاکمیت کے دعوے سے اللہ واحد کے حق میں دست بردار ہو جاتے تو بنی اسرائیل اور وہ ایک باپ کے بیٹوں اور ایک خدا کے بندوں کی طرح ایک گھر میں بس سکتے تھے۔ سوچنے کی بات ہے کہ آخر جھگڑا کس بات کا تھا؟ اس بات کا کہ فرعون اور اس کی قوم کے لوگ کیوں حاکم ہیں، بنی اسرائیل کیوں حاکم نہیں ہیں یا اس بات کا کہ اللہ واحد کی حکومت کیوں نہیں ہے، فرعون کی حکومت اور خدائی کیوں ہے؟ اگر جھگڑا موخر الذکر بات کے لیے تھا اور یقیناً اسی بات کے لیے ہو سکتا تھا تو ٹھیک راہ یہی تھی کہ حضرت موسیٰ اپنے عہد کے مستکبرین کو دعوت ایمان و اسلام دیتے اور قرآن مجید سے ثابت ہے کہ یہی انھوں نے کیا اور ان کی دعوت کی یہی کشش تھی کہ فرعون کی قوم کے اہل حق ان کی بات پر ایمان لائے ورنہ اگر ایک نسلی نزاع ہوتی تو حضرت موسیٰ کی بات ان کے قومی دشمنوں کو کیوں پسلی کرتی؟ اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اب اس بات پر غور کیجئے کہ حضرت موسیٰ اور ہارون نے فرعون سے یہ جو مطالبہ کیا کہ اس راہل مَعْنَا بنی اسرائیل (ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے دو) اس کا مطلب کیا ہے؟ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگذشت بیان کرتے ہوئے کئی جگہ ان کے اس مطالبہ کا ذکر ہوا ہے لیکن جس طرح بنی اسرائیل کی تاریخ کے واقعات ہر جگہ قرآن میں اختصار و اجمال کے ساتھ بیان ہوئے ہیں اسی طرح یہ بات بھی اجمال ہی کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ کسی جگہ بھی اس بات کی تشریح نہیں ہوئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو کس مقصد کے لیے اور کہاں لیجانا چاہتے تھے۔ البتہ اتنی بات قرآن مجید اور تورات دونوں سے واضح ہے کہ یہ مطالبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بالکل ابتدائی مطالبات میں سے ہے۔ ہمارے یہ علماء جو نیشنلزم کو بھی انبیاء کا لایا ہوا دین سمجھتے ہیں، کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ لہو تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو مصر سے نکال کر دوسرے ملک میں لے جانا چاہتے تھے لیکن اوپر کے مباحث سے یہ بات صاف ہو چکی ہے کہ یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون اور اس کی قوم کی طرف بحیثیت رسول اور شاہد کے آئے تھے اور یہی حیثیت ان کی بنی اسرائیل کے لیے بھی تھی تو کوئی نبی اتنا مہجرت و دعوت کے بغیر، ان لوگوں کو نہیں چھوڑ سکتا جن کی طرف وہ رسول بنا کر بھیجا گیا ہو۔ ہر پیغمبر کے فرائض رسالت میں سے یہ بات ہے کہ وہ لوگوں کو دعوت حق دے۔ اس دعوت کو پھیلانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا۔

اپنی دعوت کو قوم کے ایک ایک فرد کے کانوں تک پہنچائے۔ ارحم کو واضح کرنے کے لیے تمام ممکن وسائل استعمال کرے اور ایک مدت تک اپنی بہترین عملی سیرت اور بہترین قولی تبلیغ سے حق کو اتنا آشکار کر دے کہ جو لوگ اس کا انکار کرنا چاہیں ان کے پاس ضد اور ہٹ دھرمی کے سوا کوئی اور پناہ باقی نہ رہ جائے۔ یہ سارے جتن کرنے کے بعد جب وہ ان کے قبول حق سے بالکل مایوس ہو جائے اور قوم اس کی جان کے لیے ہو جائے تب وہ اللہ کے اذن سے ان کو چھوڑ کر ہجرت کرے۔ لیکن اَرْسِلْ مَعَنَا کی جو تفسیر حضرت کرتے ہیں اس تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہ فرعون کے کفر و ایمان سے بحث تھی نہ بنی اسرائیل کی تعلیم و تربیت کوئی غرض تھی بلکہ وہ آنے سے پہلے ہی جانے کا پروانہ لے کر آئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے پہنچتے ہی فرعون کے سامنے یہ مطالبہ رکھ دیا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر۔ یہ بات تمام انبیاء کی سنت کے بھی خلاف ہے اور قرآن کے بیان کے بھی، جیسا کہ اوپر واضح ہو چکا ہے، بالکل خلاف ہے۔ اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس آیت کا صحیح مطلب معلوم کیا جائے۔

ہمارے نزدیک اصول یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی تاریخ کے جو واقعات قرآن مجید میں مجمل بیان ہوئے ہیں ان کی وضاحت کے لیے تورات کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور تورات کا بیان اگر قرآن کے بیان یا اس کے کسی اصول کے خلاف نہ پڑے تو اس توضیح کو قبول کرنا چاہیے۔ اور بالخصوص ان مواقع میں تورات کا بیان بالکل غیر مشتبہ ماننا چاہیے جہاں کوئی بات مفسرین تورات کی خواہش کے بالکل خلاف مسخ و تحریف سے بچ رہے۔ اوپر ہم لکھ چکے ہیں کہ تورات میں بنی اسرائیل کے ہر نیکے کی تاریخ بالکل ایک قومی آزادی کی جدوجہد کے رنگ میں پیش کی گئی ہے۔ اور اس کو پڑھتے ہوئے بار بار ایسا لگتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ جو مطالبہ کرتے ہیں کہ ”میرے لوگوں کو جانے دے“ تو ان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ان کو آزاد کر دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس ذوق کے لوگوں کے لیے یہ بات بڑی ہی اپیل کرنے والی ہو سکتی تھی کہ خدا کا ایک جلیل القدر پیغمبر ان کی آزادی کا مطالبہ کر رہا ہے اور چنانچہ اپنی برتری کے نشہ میں انھوں نے بہت سی باتوں کو جو ایک بالکل ہی مختلف پہلو رکھتی تھیں، بالکل قومی رنگ دے دیا ہے لیکن تعجب ہے کہ اَرْسِلْ مَعَنَا کی تفسیر تورات میں اس سے بالکل مختلف ہے جو یہ حضرات بیان کرتے ہیں۔ اور تفسیر ایسی ہے کہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کا انکار کیا جائے۔ ہم پہلے ایک مناسب ترتیب کے ساتھ اس کے متعلق تورات میں جو کچھ ہے اس کو پیش کرتے ہیں اس کے بعد اس کے متعلق اپنی رائے ظاہر کریں گے۔

توریت کی کتاب الخروج میں اس مطالبہ کا ذکر بار بار آیا ہے۔ بعض جگہ تو جس طرح قرآن مجید میں مجمل ہے اسی طرح تورات میں بھی مجمل ہے لیکن پھر دوسرے مقامات میں ایسی تفصیلات آگئی ہیں کہ پوری بات صاف ہو جاتی ہے۔ کتاب الخروج باب ۱۸-۲۰ میں خداوند خدا حضرت موسیٰ اور ہارون کو فرعون سے یہ مطالبہ کرنے کا حکم دیتا ہے :-

”اب تو ہم کو تین دن کی منزل بیابان میں جانے دے تاکہ ہم خداوند اپنے خدا کے لیے قربانی کریں اور میں جانتا ہوں کہ

مصر کا بادشاہ نہ تم کو یوں جانے دے گا نہ بڑے زور سے۔ سو میں اپنا ہاتھ بڑھاؤں گا اور مصر کو ان سب عجائب سے جو میں

اس میں کروں گا، مصیبت میں ڈالوں گا۔ اس کے بعد وہ تم کو جانے دے گا۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قربانی کرنے کے لیے، پوری قوم کے ساتھ کسی ایسے مقام پر جانا چاہتے

تھے جو بیابان میں تین دن کی منزل پر تھا۔ اس مقام کے بارہ میں محققین میں اختلاف ہے اور ہم یہاں اس بحث میں نہیں

پڑنا چاہتے۔ اس کے بعد اس کی کچھ مزید تفصیل آتی ہے۔

”خداوند خدا اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ بیابان میں میرے لیے عید کریں۔ فرعون نے کہا کہ خداوند کون ہے کہ میں اس کی بات کو مان کر اسرائیل کو جانے دوں۔ میں خداوند کو نہیں مانتا اور میں اسرائیل کو جانے بھی نہیں دوں گا۔ تب انھوں نے کہا عبرانیوں کا خدا ہم سے ملے ہوئے سو ہم کو اجازت دے کہ ہم تین دن کی منزل بیابان میں جا کر خداوند اپنے خدا کے لیے قربانی کریں تاکہ وہ ہم میں دبا بھیجے یا ہم کو تنوار سے مراد دے۔ تب مصر کے بادشاہ نے ان کو کہا اے موسیٰ اور اے ہارون تم کیوں ان لوگوں کو ان کے کام سے چھڑواتے ہو۔ تم جا کر اپنے اپنے بوجھ کو اٹھاؤ اور فرعون نے یہ بھی کہا دیکھو یہ لوگ اس ملک میں بہت ہو گئے ہیں اور تم ان کو ان کے کام سے بٹھاتے ہو اور اس دن فرعون نے بیگار لینے والوں اور سرداروں کو جو لوگوں پر تھے حکم کیا کہ اب آگے کو تم ان لوگوں کو ایٹیں بنانے کے لیے بھیں نہ دینا جیسے اب تک دیتے رہے ہو۔ وہ خود ہی جا کر ٹھس بٹریں اور ان سے اتنی ایٹیں بنوانا جتنی وہ ایک بناتے آئے ہیں۔ تم اس میں سے کچھ نہ گھسنا کیونکہ وہ کاہل ہو گئے ہیں۔ اسی لیے چلا چلا کر کہتے ہیں ہم کو جانے دو کہ ہم اپنے خدا کے لیے قربانی کریں۔“ (خروج باب ۱-۵)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جس قربانی کے لیے جانا چاہتے تھے وہ اجتماعی قربانی تھی اور اس کی حیثیت عید کی تھی جس میں بنی اسرائیل کے ہر فرد و کلاں کی شرکت مطلوب تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ فرعون کو جس سبب ان کو جانے دینے سے انکار تھا وہ یہ تھا کہ جو کار خدمت ان لوگوں کے سپرد تھا اس میں ہرج ہوگا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کے عذاب سے وہ تنگ آگیا تب ایک حد تک راضی ہوا۔

”تب فرعون نے موسیٰ اور ہارون کو بلوا کر کہا تم جاؤ اور اپنے خدا کے لیے اسی ملک میں قربانی کرو۔ موسیٰ نے کہا ایسا کرنا مناسب نہیں کیونکہ ہم خداوند اپنے خدا کے لیے اس چیز کی قربانی کریں گے جس سے مصری نفرت رکھتے ہیں۔ سو اگر ہم مصریوں کی آنکھوں کے آگے اس چیز کی قربانی کریں گے جس سے مصری نفرت رکھتے ہیں تو کیا وہ ہم کو سنگسار نہ کر ڈالیں گے؟ فرعون نے کہا میں تم کو جانے دوں گا تاکہ خداوند اپنے خدا کے لیے بیابان میں قربانی کرو لیکن تم بہت دور مت جانا۔“ (خروج ۸: ۲۵-۲۹)

اس سے معلوم ہوا کہ مصر سے باہر بیابان میں جا کر قربانی کرنا کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ گائے کی قربانی کرنا چاہتے تھے اور مصر کے لوگوں کے ہمارے ملک کے ہندوؤں کی طرح، مقدس اور معبود خیال کرتے تھے اور چونکہ ان کے ہاتھ میں پورا اقدار تھا اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اندیشہ تھا کہ اگر انھوں نے گائے کی قربانی مصر میں کی اور وہ بھی اجتماعی شکل میں تو مصری ان کو سنگسار کر دیں گے۔ انہیں سے یہ بات بھی نکلی کہ یہ اجتماعی قربانی موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں قدیم سے جاری رہی ہوگی لیکن مصریوں نے گائے کے تقدس کی وجہ سے اس کو بند کر دیا ہوگا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قربانی کی تجدید کرنا چاہتے ہوں گے۔ اس تجدید کی تو فرعون نے مجبور ہو کر اجازت دے دی لیکن چونکہ یہ اجتماعی قربانی تھی جس طرح ہمارے یہاں عید اضحیٰ اس وجہ سے آگے چل کر ایک اور جھگڑا پیدا ہو گیا۔

”تب موسیٰ اور ہارون پھر بلائے گئے اور اس نے ان کو کہا جاؤ اور خداوند اپنے خدا کی عبادت کرو پر وہ کون کون ہیں جو

جائیں گے؟۔ موسیٰ نے کہا ہم اپنے جانوروں اور بڑھوں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں اور اپنی بھینٹ بکریوں اور اپنے گائے بیلوں سمیت جائیں گے کیونکہ ہم کو اپنے خدا کی عید کرنی ہے۔ تب اس نے ان کو کہا کہ خداوند ہی تمہارے ساتھ رہے۔ میں تو ضرور ہی تم کو بچوں سمیت جہنم دوں گا۔ خبردار ہو جاؤ، اس میں تمہاری خرابی ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہونے پائے گا۔ تم مرد ہی رہنا کہ خداوند کی عبادت کرو کیونکہ تم ہی چاہتے تھے اور وہ فرعون کے پاس سے نکال دیے گئے۔“ (خروج ۱۰: ۸-۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ چونکہ یہ قربانی، ہماری عید منیٰ کی طرح، عام قربانی کے ایک تہوار کی تجدید تھی اس وجہ سے حضرت موسیٰؑ کا مطالبہ یہ تھا کہ اس میں پوری قوم کو شرکت کی اجازت دی جائے اور قربانی کے لیے جانور بھی لے جانے کی اجازت دی جائے۔ فرعون نے بالآخر، خدا کے عذاب سے تنگ آکر مطالبہ کا پہلا حصہ منظور کیا لیکن دوسرے حصہ کو منظور کرنے سے انکار کر دیا۔

”تب فرعون نے موسیٰ کو بلوا کر کہا تم جاؤ اور خداوند کی عبادت کرو فقط اپنی بھینٹ بکریوں اور گائے بیلوں کو میں پھوڑ جاؤ اور جو تمہارے بال بچے ہیں ان کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ موسیٰ نے کہا تجھے ہم کو قربانیوں اور سوختنی قربانیوں کے لیے جانور دینے پر تنگ نہ کرنا کہ ہم خداوند اپنے خدا کے آگے قربانی کریں سو ہمارے چوپائے بھی ہمارے ساتھ جائیں گے اور ان کا ایک ٹکڑا بھی پیچھے نہیں چھوڑا جائے گا کیونکہ ان ہی میں سے ہم کو خداوند اپنے خدا کی عبادت کا سامان لینا پڑے گا اور جب تک ہم وہاں نہ پہنچ جائیں ہم نہیں جانتے کہ کیا لے کر ہم کو خداوند کی عبادت کرنی ہوگی۔“ (خروج ۲۴: ۲-۲۶)

بالآخر یہ قصہ یہاں تک بڑھا اور مصر اس اثنا میں خداوند تعالیٰ کی بھیجی ہوئی آفتوں سے اس قدر تباہ ہوا کہ مصریوں نے فرعون پر زور ڈالنا شروع کر دیا کہ ان لوگوں کو مصر سے یکفہم نکال دیا جائے۔ چنانچہ یہی مطالبہ مصر سے بنی اسرائیل کی ہجرت کا سبب بن گیا

”تب اس نے رات ہی رات موسیٰ اور ہارون کو بلوا کر کہا کہ تم بنی اسرائیل کو لے کر لوگوں میں سے نکل جاؤ اور جب کہتے ہو جا کر خداوند کی عبادت کرو اور اپنے کہنے کے مطابق اپنے بھینٹ بکریاں اور گائے بیل بھی لیتے جاؤ اور میرے لیے بھی دعا کرنا اور مصری ان لوگوں سے بچو ہونے لگے تاکہ ان کو ملک مصر سے جلد باہر چلا کر یں کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم سب مر جائیں گے۔ سو ان لوگوں نے اپنے گندے گندھائے آنے کو بغیر خیر دیے گنو سمیت کپڑوں میں باندھ کر اپنے کندھوں پر دھریا۔“ (خروج ۱۲: ۳۴-۳۵)

”اور انھوں نے اس گندے ہوئے آنے کی جے وہ مصر سے لائے تھے بے غیری روٹیاں پکائیں کیونکہ وہ اس میں خیر دینے نہ پاتے تھے اس لیے کہ وہ مصر سے ایسے جبراً نکال دیے گئے کہ وہاں ٹھہرنے کے اور نہ کچھ کھانا اپنے لیے تیار کرنے پائے۔“ (خروج ۱۲: ۳۶)

بنی اسرائیل کو مصر سے جبراً نکلانے کے بعد ان کے تعاقب کی وجہ تو ریت میں یہ بیان ہوئی ہے:-

”جب مصر کے بادشاہ کو خبر ملی کہ وہ لوگ چلے دیے تو فرعون اور اس کے خادموں کا دل ان لوگوں کی طرف سے پھر گیا اور وہ کہنے لگے کہ ہم نے یہ کیا کیا کہ اسرائیلیوں کو اپنی خدمت سے چھٹی دے کر ان کو جانے دیا۔ تب اس نے اپنا رتھ تیار کروایا اور اپنی قوم کے لوگوں کو ساتھ لیا۔“ (خروج ۱۴: ۵-۶)

توریت کے ان بیانات سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے یہ جو مطالبہ کیا کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے۔ یہ آزادی کا مطالبہ نہیں تھا بلکہ ان کے ہاں اجتماعی قربانی کی جو عبادت حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے وقت سے جاری تھی اور جو مصر میں، گائے کے تقدس کی وجہ سے، بند کر دی گئی تھی اس کی تجدید کا مطالبہ تھا۔ یہ معلوم ہے کہ بنی اسرائیل اپنے پاس ایک دین رکھتے تھے، جس میں ہر چند مصر کی غلامی کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں، لیکن وہ انبیاء کا دین تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ضروری تھا کہ پہلے اس کی تجدید کی جدوجہد کریں۔ بنی اسرائیل کے یہاں عبادت میں قربانی کو جو اہمیت حاصل ہے وہ معلوم ہے۔ اور یہ اہمیت اس وقت ہزار گنا بڑھ جاتی ہے جب کہ حاکم قوم کی طرف سے وہ جبراً روک دی گئی ہو۔ اس وجہ سے اس کو زندہ کرنے کی کوشش ان کے مقدم ترین فرائض میں تھی۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے ایک طرف تو حاکم قوم کو دعوت ایمان و اسلام دی اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے دعوائے حاکمیت سے احکم الحاکمین کے حق میں دست بردار ہو جائیں اور دوسری طرف بنی اسرائیل کو اللہ کی بندگی و اطاعت کی دعوت دی اور کوشش کی کہ ان کو اس بندگی و اطاعت کے لیے پوری آزادی حاصل ہو جائے۔ اگر حاکم قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت قبول کر لیتی تو سارا جھگڑا ختم تھا۔ لیکن جیسا کہ ہر نبی کے زمانہ کے مستکبرین نے اپنے نبیوں کا انکار کیا اور اتمام حجت کے بعد ان کو ہجرت کرنی پڑی اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے مستکبرین نے بھی ان کا انکار کیا اور وہ ان لوگوں کے ساتھ ہجرت کر گئے جو ان پر ایمان لائے۔ ان ایمان لانے والوں میں مصری بھی تھے اور اسرائیلی بھی۔ اور جن لوگوں نے ان کی تکذیب کی وہ تباہ ہو گئے اور ان تباہ ہونے والوں میں بھی دونوں ہی شامل تھے۔ اسرائیلی بھی اور قبیلی بھی۔ البتہ بنی اسرائیل من حیث القوم حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ اس کی بڑی وجہ تو یہ تھی جو ہم اور یہاں کر چکے ہیں کہ یہ لوگ ارباب اقتدار میں نہیں تھے کہ مفاد پرستی اور غور ان کے ایمان کی راہ میں حائل ہوتا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں کے اندر دین حق کے اجزاء موجود تھے جو مصر کی زندگی میں دب تو ضرور گئے تھے، لیکن فنا نہیں ہوئے تھے اس وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت ان کے لیے بیگانہ چیز نہیں تھی۔ اس کے بالکل برعکس قبیلی ملامتکبرین کی حیثیت رکھتے تھے اس وجہ سے وہ حق کو حق جانتے ہوئے بھی، جیسا کہ قرآن اور تورات دونوں سے واضح ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب پر اڑے رہے۔ صرف تھوڑے سے لوگ، جو بیدار ضمیر رکھتے تھے، ایمان لائے۔

اس پوری بحث کو ٹھنڈے دل سے مطالعہ کرنے کے بعد، غور فرمائیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اسوہ کی پیروی وہ لوگ لے ہمارے تحقیق یہ ہے کہ اس طرح کی اجتماعی قربانی بنی اسرائیل میں قدیم زمانہ سے جاری تھی لیکن یہاں اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ توریت کی کتاب پیدائش میں اس کے دلائل موجود ہیں۔

لے یہاں کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غیر قبیلی ہونے کی وجہ سے قبیلوں پر محبت تمام نہیں کر سکتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام بلاشبہ اسرائیلی تھے لیکن ان کی پرورش فرعون کے محل میں ہوئی تھی اس وجہ سے وہ ان کی زبان اور روایات ہر چیز سے پوری طرح واقف تھے۔ وہ قبیلوں کے لیے اسی طرح رسول (جو جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام۔ (امین امن)

کر رہے ہیں جو وطنی یا تہذیبی اشتراک کی بنا پر مہدی نیشنلزم یا سلمان نیشنلزم کا فتنہ اٹھا رہے ہیں اور انگریزوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جو فساد دنیا میں تم کر رہے ہو وہ فساد کرنا ہمارا بھی تہذیبی حق ہے یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اسوہ کی پیروی جماعت اسلامی کر رہی جو حاکم و محکوم دونوں کو صرت احکم الحاکمین کی بندگی کی دعوت دے رہی ہے اور تمام بنی آدم کو یکساں پکار رہی ہے کہ اللہ و اہل کے سوا کسی کی بندگی جائز ہے نہ اطاعت ؟ اور پھر اس بات پر غور فرمائیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اسوہ کی پیروی وہ لوگ کر رہے ہیں جو مسلمانوں کو مسلمان قوم کے فخر پر جمع کر رہے ہیں قطع نظر اس سے کہ ان میں کون اسلام کے اصولوں پر ایمان رکھتا ہے اور کون نہیں یا جماعت اسلامی کر رہی ہے جو مسلمانوں کے اندر ایمان و اسلام اور توحید و آخرت کے مقصدیات کا شعور پیدا کر کے اسلامی اصولوں کے مطابق ان کی تربیت کرنا چاہتی ہے ؟

اعز میں محترم مفسر نے مسلم شریعت کی جو روایت نقل کی ہے اس کے متعلق گزارش ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اگر کوئی تربیت یافتہ جماعت جہاد کے لیے اٹھ رہی ہو تو وہ اپنے ساتھ بعض ایسے افراد بھی لگائے جائیں۔ ہرج نہیں جن کی پورے تربیت نہ ہوئی ہو لیکن اس بات کا ثبوت ہرگز نہیں ملتا کہ ناسربیت یا فتوں کی ایک فوج مرتبہ کے جہاد کیا جاسکتا ہے۔ جہاد کی لڑائی جن لوگوں کے ذریعہ سے لڑی گئی وہ پوری تاریخ انسانی میں فوج انسانی کے محل سرسبز تھے۔ اگر ان کے ساتھ کوئی ناسربیت یافتہ فوج نہ لگے تو اس سے کیا بن سکتا تھا !

تبلیغی پمفلٹ

۱۔ ایک نہایت ہی اہم استفادہ	۶۔ سلامتی کا راستہ
۲۔ اسلام کا اخلاقی نقطہ نظر	۶۔ اسلام کا نظریہ سیاسی
۳۔ دین حق	۶۔ اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے
۴۔ نشان راہ	۶۔ انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل
۵۔ جہاد فی سبیل اللہ	۶۔ اسلام اور جاہلیت
۶۔ دستور جماعت اسلامی	۶۔ نیا نظام تعلیم

انگریزی مطبوعات

(۱) Towards Understanding Islam	Rs 3/-
(2) What is Islam?	Rs 1/8/-

مکتبہ جماعت اسلامی، دارالاسلام، پٹان کوٹ (پنجاب)